شاہ عبداللطیف بھٹائی

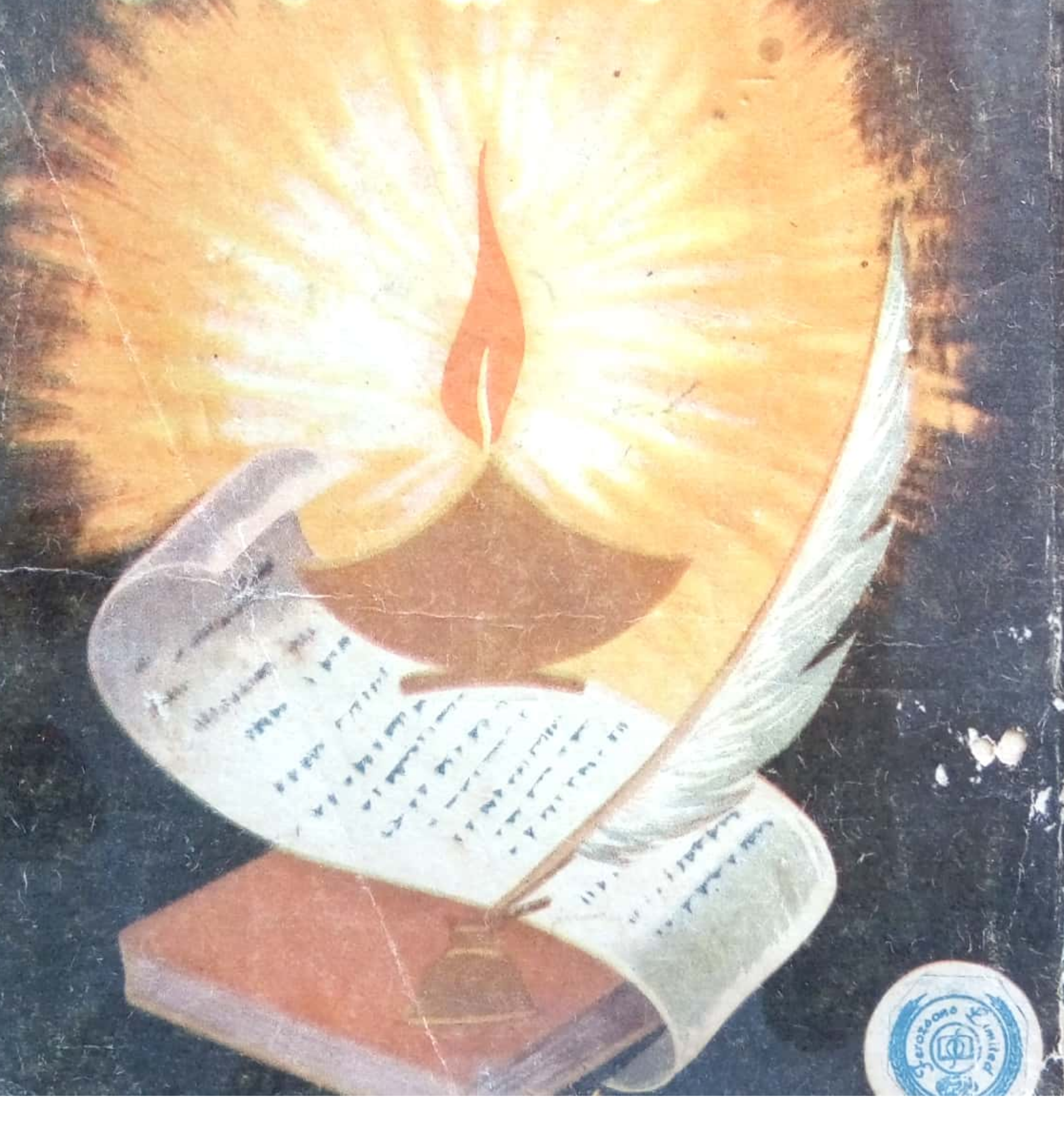

Scanned by CamScanner

شاہ عبداللطیف بھٹائی

مظہر انصاری

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور ● پاکستان

Scanned by CamScanner

دوسری بار ۱۹۷۸ء

تعداد دو ہزار

قیمت ۲۶۵۰

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالسلام خاں پرنٹر پبلشر

Scanned by CamScanner

شاہ عبدُاللطیف

شاہ عبدُاللطیف بھٹائی کا شمار اُن مُسلمان صُوفی شعرا میں ہوتا ہے جن کی شاعرانہ عظمت کے سر پر شہرتِ عام نے بقائے دوام کا تاج رکھ دیا ہے۔ اِن عظیم ہستیوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اِنسانیّت کی جو خدمت کی ہے اُس کی بنا پر اِن کے نام نہ صِرف قیامت تک روشن رہیں گے بلکہ ہر دَور کے اِنسان انھیں عزت اور اِحترام سے یاد بھی کرتے رہیں گے۔

جہاں تک شاہ لطیف کا تعلّق ہے آپ کے غیرفانی ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ کی شاعری اور پیغام کے مُخاطَب ساری دُنیا کے ہر دَور کے اِنسان ہیں۔ چنانچہ جب تک

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

انسان صفحۂ ہستی پر موجود رہیں گے آپ کی آواز اُن کے دِلوں میں گُونجتی رہے گی اور آپ کا نام شہرت اور مقبولیت کے آسمان پر آفتاب اور ماہتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔

شاہ صاحب نے شعر کی زبان میں غریبوں اور مُصیبت زدوں کے دُکھوں کی کہانی بیان کی ہے اور یہ دِل دوز کہانی کچھ ایسی دردمندی سے بیان کی گئی ہے کہ ہر دُکھی اِنسان کو شاہ صاحب کی باتیں اپنے اُوپر بیتی ہوئی مُصیبتوں کی داستانیں معلُوم ہوتی ہیں۔

آپ اپنے بچپن کے ایّام سے لے کر مرتے دَم تک ایسے اِنسانوں میں رہے جِن کا زِندگی میں قدم قدم پر مُصیبتوں، پریشانیوں اور محرُومیوں سے پالا پڑتا تھا۔ آپ نے اُن کی دُکھ بھری زِندگیوں کا بہت ہی قریب سے مُشاہدہ کیا، اِس لِیے آپ اُن کے دِلوں کے اِتنے قریب ہو گئے کہ جب شعروں میں اُن کی بِپتا بیان کی تو لوگوں نے یہ جانا کہ یہ اُن ہی کے دِلوں کی باتیں ہیں۔

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

حالات اور زمانے کی چوٹیں کھائے ہوئے انسانوں کے سارے دُکھ آپ نے اپنے دِل میں اُتار لیے اور پھر انھیں تصوّف کے رنگ میں صُوفیانہ تشبیہوں اور اِستعاروں کے ذریعے اشعار کے سانچے میں ڈھالا اِس لیے آپ کی شاعری آپ کے اپنے دور بلکہ ہر دَور کے ستائے ہوئے اِنسانوں کے لیے فریاد کی زبان بن گئی ہے۔

مگر آپ کی شاعری میں اِس سے بھی بڑی خُوبی یہ ہے کہ اس میں اِنسانوں کو اُن کے دُکھوں کا عِلاج بھی بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اِنسان اِس دُنیا کو فانی اور اس کے حالات کو وقتی باتیں سمجھے، خُدا کی رضا میں راضی رہے، اُسی سے لو لگائے اور اُسی تک پہنچنے کی کوشش کرتا رہے۔

یہ تصوّف کی بُنیادی تعلیم ہے۔ ہر زمانے کے صُوفیا نے انسانوں کو یہی مَسلک اِختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ رُومی، حافِظ، عطّار، سنائی اور دُوسرے بے شمار صُوفی شاعروں کا پیغام بھی یہی ہے۔

Digitized By M.Y.M.D

Scanned by CamScanner

اس لحاظ سے شاہ لطیف اور دُوسرے صُوفی شعرا میں کوئی فرق نہیں۔ مگر شاہ صاحب کی شاعری کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ سندھ کے عوام میں جو عشقیہ داستانیں پہلے سے پھیلی ہوئی تھیں آپ نے اُنھی کو تصوّف کے پیرائے میں نظم کر کے اس بُنیادی تعلیم کو دِل کش ترین انداز سے لوگوں کے دِلوں میں اُتار دیا۔ آپ کے اشعار عام لوگوں کو وُہی باتیں معلوم ہوتے جو اُن کی اپنی زبانوں پر تھیں مگر در حقیقت شاہ لطیف نے اُنھیں اِس ترکیب سے خُدا کی لگن لگا کر وہ مُصیبتیں بُھلا دیں جنھوں نے اُن کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ جس دَور میں شاہ صاحب گزرے ہیں وہ غریب اور بیکس انسانوں کے لیے کیسی کیسی جان لیوا آفتوں کا زمانہ تھا تو ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اُنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مجبُور اور محرُوم انسانوں کو یہ نسخۂ نجات بتا کر انسانیّت کی بڑی گراں قدر خدمت انجام دی۔ چنانچہ ہمارا یہ عقیدت اس

عظیم صوفی شاعر کے حضور میں بے اختیار خم
ہو جاتا ہے۔
آپ کی شاعری اور پیغام کی نوعیت کو
ذہن نشین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن
کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی پس منظر کا
حال مختصر الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔

پس منظر

شاہ عبدُاللطیف بھٹائیؒ اب سے دو سو نو برس
قبل گزرے ہیں۔ آپ کی زندگی کا زمانہ ۱۶۸۹ء
سے لے کر ۱۷۵۲ء تک ہے یعنی سترھویں صدی
کا آخری حصّہ اور اٹھارھویں صدی کا پہلا نصف
حصّہ۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کا وہ دَور تھا جس
میں ہر طرف فسادات، بغاوتوں، بدامنی، لُوٹ مار اور
قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ جن دِنوں شاہ
صاحب کا بچپن تھا اُس وقت شہنشاہ اورنگ زیب
عالمگیر جیسا جلیلُ القدر شہنشاہ دہلی کے تخت پر
مُتمکّن تھا۔ اُس کے بے مثال تدبُّر سے سارے
مُلک میں بالکل امن و امان تھا اور ہر طبقے

Digitized By: M. Y. M. D

Scanned by CamScanner

کے لوگ چین کی نیند سوتے تھے مگر اِس زبردست بادشاہ کے دُنیا سے رُخصت ہوتے ہی سارے مُلک میں ابتری اور اِنتشار پھیل گیا۔ اُس وقت شاہ لطیف کی عُمر اٹھارہ سال کی تھی۔

عالمگیری دَور میں مرکز مُستحکم اور مضبُوط تھا۔ اِس کا نتیجہ یہ تھا کہ مُلک کے بعید ترین گوشوں میں بھی کوئی مُفسِد سر نہ اُٹھا سکتا تھا۔ جنوُبی ہند میں مرہٹے اِسلام دُشمنی کی آگ میں جلتے ہوئے شورشیں برپا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، مگر عالمگیر کے اقبال نے انھیں ہندوستان کے مغربی ساحل کے پہاڑوں میں دھکیل کر "پہاڑی چوُہے" بننے پر مجبُور کر دیا تھا۔ شمالی مغربی ہندوستان میں سِکھوں کا فرقہ سر اُٹھاتا تو ہر بار سرکوُبی کے بعد اور دب جاتا۔

مگر عالمگیر کی آنکھ بند ہوتے ہی اُس کے وارثوں نے ایک دُوسرے کا خوُن بہانا شروع کر دیا۔ اِس سے مرکز کمزور ہو گیا۔ صوُبوں میں مرکز گُریز طاقتوں نے بغاوتیں شروع کر دیں۔ مُغل سلطنت کو زوال ہو رہا تھا۔ ہر علاقے

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

میں ذی اثر اور صاحبِ اِقتدار لوگ مُغلوں کی ماتحتی کا جُوا اپنی گردنوں سے اُتارنے کے لیے دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔

مرہٹوں کی تاخت و تاراج سے ہندوستان بھر میں بدامنی اور پریشانی پھیل گئی۔ سِکھوں نے بھی پنجاب میں مرہٹوں جیسی شورش برپا کر دی۔ سِندھ بھی مُغل سلطنت کا باج گُزار تھا۔ یہاں کلہوڑا خاندان، جس کا نسب خُلفائے عبّاسیہ سے جا مِلتا تھا، سندھ پر قبضے کے لیے جدّ و جہد کرنے لگا۔

اِن سیاسی ہنگاموں سے مُلک میں جو بدامنی، ابتری اور افراتفری پھیلی اُس سے عام لوگوں کا سکُون اور چَین رُخصت ہو گیا۔ آئے دِن کی لُوٹ مار کی وجہ سے تجارتی شاہراہیں مخدُوش ہو گئیں۔ اشیائے تجارت کی ترسِیل کا سِلسلہ رُک گیا۔ تاجروں نے مال ایک شہر سے دُوسرے شہر میں لے جانا بند کر دیا۔ کار و بار چوپٹ ہو گئے۔ بہت سے پیشے بالکل ہی بند ہو گئے۔ اِس سے کار و باری اور پیشہ ور لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے۔ اُن کے پاس جو جمع جتھا

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

تھی وہ بے روزگاری کی حالت میں کھا پی جانے کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد مُفلسی اور فاقہ کشی کا دَور آیا۔ جن کے طویلوں میں عراقی اور عربی گھوڑوں کا شُمار نہ تھا، وہ موچی سے جُوتی اُدھار گنٹھوانے لگے۔ جن کی حویلیوں میں کبھی ہاتھی جھُولتے تھے اُن کے ہاں خاک اُڑنے لگی۔ غرض سیاسی ابتری سے لوگوں کی معاشی حالت خراب ہو گئی اور معاشی حالت بگڑنے سے مُعاشرہ بگڑنے لگا چُنانچہ دِین کی جگہ کُفر اور شِرک کی رسموں نے لے لی۔

سارے مُلک میں یہی لیل و نہار تھے۔

سِندھ میں بھی عوام کی حالت بہت ابتر تھی۔ حُکمران طبقہ اُن کے ساتھ انتہائی سنگ دِلی سے پیش آتا تھا۔ غریبوں کی زندگی بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ جاگیرداری نظام اپنی بد ترین شکل میں رائج تھا۔ عام لوگوں کی اکثریّت ناخواندہ تھی اور بڑی مُصیبت کے عالم میں لشتم پشتم زندگی گزار رہی تھی۔

امیروں اور سرداروں کے اِقتدار کے علاوہ

Scanned by CamScanner

پیروں، صُوفیوں، مولویوں اور سیّدوں کا مجلسی اِقتدار بھی عوام کے سینے پر پتھّر کی ایک بھاری سِل کی طرح رکھا ہُوا تھا جس کے ناقابلِ برداشت بوجھ سے اُن کا دم نِکلا جا رہا تھا۔ غرض سِندھ کی تاریخ میں یہ دَور عوام کے لِیے بڑی مُصیبت اور پریشانی کا زمانہ تھا۔

کلہوڑا خاندان نے مُغلوں کے زوال کے آثار دیکھ کر اپنا اِقتدار بڑھانا شروع کر دیا۔ اُس کی مذہبی قیادت کے قدم پہلے ہی سے جمے ہوئے تھے۔ عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنتِ مُغلیہ کا یہ چھوٹا سا باج گزار صُوبہ اُس کے اثر سے آزاد ہوگیا۔

مگر کلہوڑا خاندان سندھی عوام کے لِیے مُغل سلطنت کے دورِ زوال کی افراتفری سے بھی زیادہ ناقابلِ برداشت مُصیبت ثابت ہُوا۔ حُکام عام لوگوں پر بے دھڑک سِتم کے پہاڑ توڑتے اور بادشاہ ان سے کوئی بازپُرس نہ کرتا۔ چونکہ کلہوڑا دُنیاوی حاکم ہونے کے علاوہ دینی مُعاملات میں بھی سربراہ تسلیم کِیے جا چُکے تھے اِس لِیے

Digitized By M.M.B
Scanned by CamScanner

وہ خُدا کا خوف بھی نہ کھاتے تھے۔ دُنیا اور دِین دونوں کی ٹھیکیداری حالات نے اُن کے پنجۂ اِستبداد کے حوالے کر دی تھی۔ عوام اُن کے مُقابلے میں بے بس تھے۔

شاہ لطیف جیسے لوگ کلہوڑا کے سرداروں اور اُن کے افسروں کو بے بس رعایا پر ظُلم کرتے دیکھتے تو ان کے دل غم سے خُون ہو جاتے مگر وہ اہلِ اِقتدار کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے تھے اِس لیے خُون کے سے گھُونٹ پی کر رہ جاتے۔

کلہوڑا کے مظالم، مظلُوموں کی داد رسی کی طرف سے ان کی بے پروائی اور عوام کی درد انگیز بےبسی نے معاشرے کی حالت زیر و زبر کر دی جس سے سندھی عوام کی مُصیبتوں میں اِضافہ ہُوا۔ پھر جب نادر شاہ نے دِلّی پر حملہ کیا تو اُس نے سندھ کو اپنا باج گزار بنایا۔ ایک بار پھر آقا بدلے۔ اِس تبدیلی کا بھی عوام کی حالت پر پر بُرا اثر پڑا۔ اس وقت شاہ لطیف کی عُمر پچاس برس کی ہو چُکی تھی۔ اس کے تقریباً آٹھ سال بعد احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر

Scanned by CamScanner

فوج کشی کی ۔اب کے سندھ افغانستان کا باج گزار صوبہ بنا ۔ مرے پر سو دُرّے ۔ سندھی عوام کی حالت اور بھی ابتر ہو گئی ۔

شاہ لطیف نے اِس سیاسی، معاشرتی اور دینی ابتری سے عوام کو بے اندازہ مصیبتوں میں مُبتلا ہوتے دیکھا ۔ ہر نیا تغیُّر غریبوں پر نئی قِسم کے سِتم ڈھاتا تھا اور وہ ایک نئے خلفشار کے بھنور میں گِر کر موت سے بد تر زندگی گزارنے پر مجبُور ہوتے تھے ۔ عام لوگوں کی مصائب سے بھری ہوئی اِس زندگی کے مُشاہدات ہی شاہ کی شاعری کے لِیے مواد بن گئے اور اُنھوں نے دُکھی لوگوں کے جذبات و احساسات ہی سے اپنے فن کے تار و پود کا کام لیا ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اُن کے اشعار میں دُکھی اِنسانوں کے دِلوں کی دھڑکنیں صاف صاف سُنائی دیتی ہیں اور شاہ صاحب کی لَے میں اُن کی فریادیں بھی شامل معلوم ہوتی ہیں ۔

شاہ صاحب نے اپنے دَور کے سِتم رسیدہ اِنسانوں کی مُصیبتوں کی عکّاسی کے لِیے تصوُّف کا کینوس

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھ ہندوستان میں پہلا صُوبہ تھا جہاں اِسلام کا قدم آیا تھا اِس لیے اِس دِین کو علاقائی باشندوں کے ذہنوں اور ان کے دِلوں میں سرایت کرنے کے لیے اور علاقوں سے کہیں زیادہ مُدّت ملی تھی۔ اِس بنا پر سندھ کے عوام پر مذہبیّت بہُت زیادہ غالب تھی اور ان میں پیروں فقیروں اور اہلِ مذہب کی بہُت پوُچھ تھی۔ اُنھیں مؤثر انداز سے کوئی بات صِرف مذہب کے پیرائے میں سمجھائی جا سکتی تھی۔

شاہ لطیف کے زمانے میں سندھ میں مذہب پر تصوُّف کا رنگ چڑھا ہُوا اِس لیے آپ نے اپنے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کانوں تک پہنچانے کے لیے تصوّف کی مقبولِ عام زبان اِختیار کی۔

اِس عمُومی وجہ کے علاوہ ایک خاص نیز ذاتی وجہ یہ بھی تھی کہ خُود شاہ صاحب ایک سیّد خاندان کے چشم و چراغ تھے جس میں نسلوں سے تصوُّف کا چرچا ہوتا چلا آ رہا تھا۔

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

اِس لیے آپ طبعاً شروع ہی سے تصوّف کی طرف مائل تھے اور آگے چل کر آپ کی شاعری پر بھی اِسی کا رنگ غالب آیا۔

اصل میں اس دَور میں سارے ہی مُلک میں تصوّف کی جانِب میلان کی فضا طاری تھی۔ ایرانی تصوّف کی لہریں سولھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں پہنچنی شروع ہوئی تھیں، اٹھارھویں صدی تک ان کا طلاطُم ایک ذہنی و قلبی طُوفان بن گیا۔ اسی زمانے میں، جو شاہ لطیف کا زمانہ بھی ہے، اُردو زبان میں ولی دکنی، آبرُو، حاتم اور فغاں جیسے شاعروں کا کلام بھی تصوّف کے رنگ میں رنگا ہُوا ہے بلکہ انگریزی زبان کے شُعرا الیگزنڈر پوپ، ولیم کوُپر، جارج کریب وغیرہ کی شاعری کا رنگ بھی یہی ہے۔ گویا اِس دَور میں دُنیا بھر میں تصوّف شاعری کے کینوس کا کام دے رہا تھا۔

خاندانی حالات

شاہ صاحب کا خاندان سیّدوں کا خاندان تھا،

Digitized By M.M.B

Scanned by CamScanner

جو سندھ وارد ہونے سے پہلے ہرات میں بُود و باش رکھتا تھا۔

چودھویں صدی عیسوی میں ہرات میں ایک شخص سیّد میر علی رہا کرتے تھے۔ یہ امیر تیمُور کے عُروج کا زمانہ تھا۔ ہرات اس کی قلمرو میں شامل تھا۔

سیّد میر علی اپنے شہر کے شُرفا میں شُمار ہوتے تھے اور بڑے بارسُوخ، طاقت ور اور امیر و کبیر آدمی تھے۔ اُنھوں نے امیر تیمُور کو بھاری رقمیں نذر دے کر اُسے اپنے اُوپر مہربان کر لیا جس کے بعد اُن پر تیمُور کی عنایات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

سیّد میر علی کے چھ بیٹے تھے۔ تیمُور نے اُن میں سے ایک کو اجمیر کا، دُوسرے کو مُلتان کا، تیسرے کو بھکّر کا اور چوتھے کو سہسوان کا گورنر مُقرّر کیا۔ ان کا پانچواں بیٹا ہرات ہی میں مُقیم رہا۔ چھوٹے بیٹے حیدر شاہ کو تیمُور نے گورنر بنانا چاہا مگر اُنھوں نے سکُون و عافیت کی وہ زندگی گزارنی پسند نہ کی جو اُن کے

Scanned by CamScanner

مُلک میں گورنروں کے لیے مخصوص تھی اور خطرات میں پڑ کر عظمت حاصل کرنے کا تہیّہ کر لیا۔

اُن دِنوں سیّد میر علی ہندوستان میں کِسی جنگ میں شامل تھے۔ سیّد حیدر شاہ اُن کے پاس پہنچ گئے اور ان کے دوش بدوش لڑائی میں حصّہ لے کر مردانگی کے جوہر دِکھائے۔ جب جنگ ختم ہو گئی تو آپ باپ سے رُخصت ہو کر سِندھ پہنچنے کے ارادے سے جنوب کی طرف روانہ ہو گئے اور پھرتے پھراتے ہالہ پہنچ گئے، جو اُس زمانے میں ایک بڑا بارونق شہر تھا اور تجارت و صنعت کے لیے مشہور ہونے کے علاوہ عِلم کا مرکز بھی تھا۔

ہالہ کے ایک رئیس شاہ مُحمّد نے آپ کو اپنے پاس مہمان ٹھہرا لیا اور آپ کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اِتفاق سے چند دِن بعد شاہ مُحمّد پر گورنر کا عِتاب نازل ہُوا۔ بادشاہِ وقت سے تعلّقات کی وجہ سے آپ نے گورنر کو سمجھا بُجھا کر اُس کی خفگی دُور کر دی اور شاہ مُحمّد پر سے عِتاب ہٹ گیا۔ حیدر شاہ کی اِس بھلائی سے

Digitized By M.Y.M.D

Scanned by CamScanner

ان کی اور شاہ محمدؒ کی دوستی اور بھی پکّی ہوگئی۔ پھر شاہ محمدؒ کی بیٹی فاطمہ سے ان کی شادی ہوگئی۔ مگر چند دن بعد ایک ضروری کام سے ہرات جانا پڑا تو وہاں اُن کا اِنتقال ہوگیا۔ فاطمہ کے ہاں اُن سے جو لڑکا پیدا ہُوا وہ ہالہ ہی میں رہا۔ اسی لڑکے سے سیّدوں کا وہ خاندان چلا جِس میں شاہ عبدُاللطیف پیدا ہوئے۔

آپ کے دادا کا نام شاہ کریم بُلڑی تھا۔ وہ بڑے مُتقی اور بُلند پایہ عالم تھے اور شعر بھی کہتے تھے جن میں تصوُّف کے رمُوز بیان کرتے تھے۔

اِس سے ظاہر ہے کہ عِلمیّت اور تصوُّف کی جانب میلان آپ کو اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملے تھے اور یہ آپ کے خُون میں رچے ہوئے تھے۔

آپ کے والد کا نام شاہ حبیب تھا۔ آپ بھی اپنے زمانے کے جیّد عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے بچپن میں نورُ محمّد بھٹّی سے پڑھا تھا جِن کی عِلم دانی کا اُس زمانے میں زبردست

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

شہرہ تھا۔

اِبتدائی حالاتِ زِندگی

شاہ عبدُاللطیف بھٹائی کے حالاتِ زِندگی کے بارے میں مُستند تفصِیلات فراہم کرنا بُہت مُشکل ہے۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے حالات میں لوگوں نے بُہت سی ایسی باتیں بھی شامل کر دی ہیں جن کی بُنیاد صِرف زبانی بیانات ہیں اس سے حقیقی یا اصلی حالات میں داستانیں اور کہانیاں اس طرح رل مِل گئی ہیں کہ اُن میں اِمتیاز کرنا دُشوار ہے۔

اِس سِلسلے میں بہترین سند خُود شاہ صاحب کا اپنا کلام ہے۔اِسے بغور پڑھنے سے آپ کے حالاتِ زندگی معلوم ہوجاتے ہیں۔

آپ کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔عام طور سے اِس بات پر اِتفاق کیا جاتا ہے کہ آپ ۱۶۸۰ء سے ۱۶۹۰ء تک کی دہائی میں پیدا ہوئے تھے۔آپ کے کئی سوانح نگاروں کا خیال یہی ہے۔

Digitized By M.M.B

Scanned by CamScanner

مگر اِس سِلسلے میں جو شواہد مُہیّا ہوئے ہیں اُن سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ ۱۶۸۹ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور ۱۷۵۲ء میں اِنتقال کیا۔ اِس حساب سے آپ نے ۶۳ برس کی عُمر پائی۔

آپ جس مُقام پر پیدا ہوئے اُس کا نام ہالہ حویلی ہے۔ یہ جگہ حیدر آباد سے کچھ فاصلے پر ہے۔ اور آبادی کے لحاظ سے ایک مُختصر سی بستی ہے۔

ابھی آپ کی عُمر چار ہی برس کی تھی کہ آپ کے والد شاہ حبیب کو نقلِ مکانی کرنی پڑی اور آپ ہالہ حویلی کی سکونت ترک کر کے کوٹڑی میں جا بسے۔

یہ شہر اُس زمانے میں ایک مُغل رئیس کے ماتحت تھا، جس کا نام مرزا مُغل بیگ تھا۔ اُس نے شاہ حبیب کو اپنا اور اپنے خاندان کا رُوحانی پیشوا بنا لیا۔ شاہ صاحب کے خاندان کے افراد کے بارے میں یہ مشہُور تھا کہ اُنھیں خُدا نے مُعجزانہ قوّتیں بخشی ہیں۔ اِس کے علاوہ آپ

Scanned by CamScanner

کے خاندان کے لوگ طبیب بھی ہوتے تھے کیونکہ اس زمانے میں سیّدوں کے ذِمّے جو کام تھے اُن میں سے بیماروں کا عِلاج اور اُن کے لیے دُعائے صحت بھی تھا۔

اِس کے بارے میں شاہ عبدُاللطیف نے مُروّجہ رسمی تعلیم حاصل کی یا نہیں، مختلف لوگوں نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ آپ نے رسمی تعلیم حاصل نہیں کی۔ اِس سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اُن کے والد نے اُنھیں ایک مولوی کے پاس پڑھنے بٹھایا تو مولوی جی نے تختی لکھوائی اور حرُوفِ تہجّی کا پہلا حرف ا لکھوایا۔ شاہ نے اُن سے پُوچھا کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ مولوی نے کہا "الف سے اللہ"

اِس کے بعد اُنھوں نے ب کا حرف لکھنے کو کہا۔ اِس پر شاہ نے کہا کہ ہمارے لیے تو ا ہی کافی ہے۔ پہلے ہم اِس حرف کو یاد کر لیں۔ جب یہ خُوب اچھّی طرح آجائے گا تو اُس کے بعد ہی مکتب آئیں گے۔

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

کہتے ہیں کہ اِس کے بعد شاہ لطیف پھر کبھی کِسی مکتب میں نہیں گئے۔

شاہ صاحب کی ایک کافی میں بھی اِس واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کافی کی شروع کی سطروں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اُستاد کو غصّہ آگیا اور اُس نے آپ کو مارنا شرُوع کر دیا۔ اِس پر آپ نے اُستاد سے کہا:

مُلّا جی، اپنا ڈنڈا روک لو
خُدا کے لیے
میں اپنی پیاسی نظروں کو اُس پر جماؤں
جو سبق میں ہے
یا اُنھیں اپنے محبُوب کے چہرے
کے دیدار سے ٹھنڈک پانے دُوں؟

جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ شاہ لطیف نے مُروّجہ تعلیم حاصل نہیں کی ان کا کہنا ہے کہ خُدا نے آپ کو ما فوق الفطرت صلاحیتیں دی تھیں۔ اِن طاقتوں نے آپ کو اِس قابل بنا دیا کہ آپ نے رسمی علوم سے نابلد ہونے کے باوجود غیر فانی اشعار لکھے۔

Scanned by CamScanner

اِن کے برعکس بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے قرآن شریف پڑھا تھا اور اُس کے معانی و مطالب سے خوب اچھی طرح آگاہ تھے۔ اِس کے علاوہ آپ مولانا رُوم، جامی اور حافظ کا کلام بھی سمجھتے تھے۔

بعض اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے رسمی علوم تو بیشک نہیں پڑھے مگر عربی اور فارسی زبانوں سے خوب اچھی طرح واقف تھے اور قرآن مجید با معنی پڑھا تھا۔

کہتے ہیں کہ آپ کو مثنوی مولانا رُوم اور اپنے دادا کی کتاب، رسالو، بہت پسند تھیں چنانچہ قرآن مجید اور یہ دونوں کتابیں ہر وقت ساتھ رکھا کرتے تھے۔

تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ شاہ لطیف کو ناخواندہ کہنا ٹھیک نہیں۔ وہ عالم تو نہیں تھے مگر اُن کی معلومات بہت وسیع تھیں اور مُشاہدہ بھی بہت گہرا تھا۔

آپ کو نمود و نُمائش سے بچپن ہی سے نفرت تھی۔ اِسی طرح آپ دُنیاوی آرام و راحت سے

Scanned by CamScanner

بھی بیزاری ظاہر کرتے تھے۔

جس طرح بہت سے اور بزرگوں کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ شروع ہی سے اِس قسم کے انسان تھے جن پر ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کی ضرب المثل صادق آتی ہے، اِسی طرح آپ کے متعلق بھی بتایا جاتا ہے کہ آپ جوانی کے دِنوں میں بھی سنجیدہ، کم گو، راست باز اور قناعت پسند تھے۔

آپ اور لڑکوں کی طرح کھیل کود اور میلوں ٹھیلوں میں بھی وقت ضائع نہ کرتے تھے بلکہ عالموں، اہلِ دین اور صوفیا کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی معلومات بڑھاتے تھے یا پھر غریبوں اور مصیبت زدہ انسانوں کی خدمت کرتے تھے۔ اگر اِن دونوں کاموں میں سے کوئی کام نہ کرتے ہوتے تو پھر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر مُراقبہ کرنے لگتے۔ بہر حال آپ محفلوں کے ہنگاموں سے دُور بھاگتے تھے اور اُن پر گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے۔

اِن صفات کی وجہ سے آپ عین جوانی ہی میں عام لوگوں میں مقبول ہوگئے اور وہ ہر وقت

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

آپ کے گرد رہنے لگے۔

عشقِ مجازی

جیسا کہ اُوپر بتایا گیا ہے شاہ لطیف کا خاندان سیدوں اور حکیموں کا خاندان تھا۔ وہ بیماروں کا علاج بھی کرتے تھے اور اُن کے تندرست ہونے کی دُعا بھی کیا کرتے تھے۔

شاہ صاحب کی جوانی کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ مرزا مُغل بیگ کی بیٹی سیّدہ بیگم بیمار پڑی۔ مرزا نے شاہ حبیب کو دُعا کرنے کے لیے بُلوا بھیجا مگر اُن کے پاس پہلے ہی اتنا کام تھا کہ سنبھالے سنبھل نہ رہا تھا اس لیے بڑے شاہ جی نے بیٹے سے کہا کہ تم جا کر اس لڑکی کے لیے دُعا کر آؤ۔

نوجوان شاہ لطیف کا اِس موقعے پر مرزا مُغل بیگ کے محل میں جانا اُس کی زندگی میں ایک انقلاب آفریں موڑ ثابت ہوا کیونکہ اس محل میں اُسے وہ عشقِ مجازی ہوا جس کی ناکامی نے اسے عشقِ حقیقی میں محو کر دیا۔

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

اُس زمانے کے رئیس خاندانوں کی طرح مرزا مُغل کے محل میں بھی بڑا سخت پردہ تھا اور اِس میں پرندہ پَر نہ مار سکتا تھا۔ مگر سیّدوں کو چُونکہ قُدسی نفس اِنسان سمجھا جاتا تھا اِس لیے اُنھیں حرم کے اندر بُلا لیا جاتا تھا۔ اُس وقت حرم کی عورتیں اپنے جسم چادروں میں چُھپا لیتی تھیں۔ جب شاہ لطیف محل کے اندر پہنچے تو اُن سے کہا گیا کہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر دُعا کرنے کے بجائے صِرف اُس کی ایک اُنگلی اپنے ہاتھ میں تھام کر دُعا کیجیے۔ لڑکی نے ایک اُنگلی چادر سے باہر نکال دی۔

مرزا کی اِس لڑکی کے حُسنِ بے مثال کا دُور دُور شُہرہ اور گھر گھر چرچا تھا۔ پھر شاہ لطیف کی عُمر اُس وقت بیس سال کی تھی اور وہ جذباتی نوجوان بھی تھے۔ آپ اِس لڑکی پر عاشق ہو گئے اور اُس کی اُنگلی تھام کر یہ شعر پڑھا:

وہ لڑکی جس کی اُنگلی سیّد کے ہاتھ میں ہے
اُسے کسی طُوفان کا ڈر نہیں

سندھی زبان میں کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑنے

کے معنے ہیں اُسے اپنی شریکِ زندگی بنانا۔ اِس لیے قدرتی طور پر مرزا کے خاندان والوں کو شاہ کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ مرزا مُغل بیگ تُرکوں کے مشہور قبیلے ارغون سے تھا اور اپنا سلسلۂ نسب چنگیز خانِ اعظم سے ملاتا تھا۔ ہرچند شاہ کا باپ اُس کا اور اس کے خاندان کا رُوحانی پیشوا تھا مگر آخر کو تھا تو ایک بُھکّڑ سیّد ہی۔ اُس کے اَن پڑھ بیٹے کی یہ مجال کہ چنگیزی خاندان کی ایک لڑکی کا شوہر بننے کا خیال اپنے دِل میں لائے! یہ مرزا کے خاندان کی بےعزّتی کرنے کے برابر تھا۔

مگر اُس نے اِس وقت شاہ کو کچھ نہ کہا۔ شرافت اور تہذیب کا یہی تقاضا تھا کہ اِس وقت کوئی جھگڑا کھڑا نہ کیا جائے۔ اِس سے لڑکی اور اُس کے خاندان والوں، سب کی بدنامی ہوتی۔

مگر مرزا نے سیّدوں سے اِنتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا چُنانچہ بدلہ لے کر رہا۔ اُس کے خاندان کے افراد اور مُلازموں نے بات بات پر

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

سیّدوں کی بے عزتی کرنی شروع کر دی۔ سیّدوں کے ایک چھوکرے نے مرزاؤں کی بے عزّتی کی تھی۔ مرزا سیّدوں کے وقار کو چکنا چور کرنے پر تُل گئے۔

پہلے چھُپے چھُپے حملے ہوتے رہے۔ پھر وہ سیّدوں کی کھُلّم کھُلّا بے عزّتی کرنے لگے اور عام لوگوں کو بھی سیّدوں کی بے عزّتی کرنے اور اُنھیں ہر بہانے بُرا بھلا کہنے پر اُکسانے لگے۔

غرض سیّدوں کو اتنا تنگ کیا گیا کہ اُنھیں یہ علاقہ چھوڑنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ وہ وہاں سے شمال کی جانب کچھ فاصلے پر جا رہے اور وہیں اپنی بستی بسالی۔

بیس برس کی طوفانی عمر، ایک حسین لڑکی سے عشق اور یہ عشق اس بُری طرح ٹھکرایا گیا۔ نوجوان لطیف کے دِل پر بیت گئی۔

اُس کی رُوح بے چینی کی ایک کروٹ لے کر جاگ اُٹھی۔ وہ آس پاس کے صحراؤں اور ویرانوں میں نکل جاتا اور کئی کئی دن تک دشت نوردی کرتا رہتا۔

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

چند دِن بعد اُس کے حُزن و ملال اور درد
و غم نے اِظہار کی ایک صُورت پیدا کر لی ۔
وہ شعر کہنے لگا ۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ فرطِ
جذبات سے بے خُود سا ہو جاتا اور شعر پر
شعر کہتا چلا جاتا ۔

رفتہ رفتہ جذبۂ عشق کی شِدّت اِتنی بڑھی کہ
بعض لوگوں کے بقول نوجوان لطیف بیہوش ہو جاتا ۔
ایک مرتبہ تو وہ اِتنی دیر تک بیہوش رہا کہ
آندھی نے اُس کے جسم پر ریت کا ڈھیر لگا دیا ۔
گویا وہ زندہ دفن ہو گیا ۔ اگر اِس موقع پر
اُس کا باپ وہاں نہ پہنچ گیا ہوتا تو اُس کی
قبر ہی بن گئی ہوتی ۔

جب محبُوبہ سے مِلنے کی آرزُو پُوری ہونے
کی کوئی بھی صُورت نظر نہ آئی تو اب لطیف
میں یہ تبدیلی رُونما ہوئی کہ آس یاس میں ڈھل
گئی ۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ جس دُنیا نے اُسے
اُس کی محبُوب لڑکی سے محرُوم کیا ہے اُسے چھوڑ
دینا چاہیے ۔

ایک دِن وہ اپنے معمُول کے مُطابق اُنت نوری

Digitized By: M.V.M.B

Scanned by CamScanner

کرنے نکلا تو گھر واپس نہ آیا۔ باپ نے اُسے ڈھونڈنے کے لیے آدمی بھیجے مگر لطیف کا کہیں کھوج نہ لگا۔

پھر معلوم ہوا کہ اُسے راستے میں خانہ بدوش فقیروں کی ایک ٹولی مل گئی تھی۔ یہ لوگ گاتے بجاتے بھی ہیں۔ وہ گیروا کپڑے پہن کر اُن کے ساتھ ہو لیا۔

جہاں گردی

اب شاہ لطیف کی وہ زندگی شروع ہوئی جس میں آپ نے دُور دُور کے سفر کیے۔ آپ نے فقیروں کی سنگت میں سندھ کی بہت سی زیارت گاہوں کی زیارت کی مگر دل سیدہ بیگم کی محبت سے سرشار تھا اس لیے جہاں کہیں گئے، جو کچھ دیکھا اور جو کوئی گیت یا عشقیہ داستان سُنی، اُس سے انھیں سیدہ بیگم ہی یاد آئی۔

آپ اس جہاں گردی کے دوران میں سندھ کے مغربی حصے میں لس بیلہ اور ہنگلچی گئے اور ساحل کے لگواں لگواں چل کر ابراہیم حیدری،

Digitized By: M.Y.M.D
Scanned by CamScanner

رمیشی اور خان سے کھاری چھان اور کچھ بھوج تک سفر کیا۔ ان مقامات کے باشندوں کے رہن سہن کا آپ نے بغور مُشاہدہ کیا چنانچہ اپنی نظموں میں اُن کا حال اِتنی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ آنکھوں کے آگے تصویر سی کھنچ جاتی ہے۔

آپ کاٹھیاواڑ بھی گئے۔ جُونا گڑھ کے قیام کے دوران میں آپ نے تھار کے ریگستان میں بھی کافی وقت گزارا۔ یہاں کے مُشاہدات سے کام لے کر آپ نے عُمر ماروی کے رُومان کی بڑی کامیاب لفظی مُصوّری کی ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کابُل اور قندھار بھی گئے تھے مگر اِس کا کوئی تارِیخی یا روایتی ثبوت نہیں مِلتا۔

ایک سفر میں آپ مُلتان جا پہنچے۔ اِس کے علاوہ جیسلمیر، مکران اور بلوچستان کی بھی سیر کر آئے اِس سفر میں آپ کو جو تجربات ہوئے اُن سے آپ کا ذہنی اُفق وسیع اور آپ کا دِل کُشادہ ہو گیا۔

کچھ عرصے بعد آپ کا فقیروں سے ساتھ چُھٹ

Digitized By: M. Y. M. B

Scanned by CamScanner

گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہونے کو تو فقیروں کے ساتھ ہو لیے تھے مگر آپ کے مزاج میں جو اِنفرادیت تھی اُس کی وجہ سے آپ کی فقیروں سے بنی نہیں۔ آپ نے فقیروں کے بعض طریقے ترک کر دیے تھے۔ اِس پر فقیروں نے ناراض ہو کر آپ کو اپنے گروہ سے نکال دیا۔

اب شاہ لطیف نے اکیلے ہی جہاں گردی شروع کر دی۔ کچھ مکران کا چپّا چپّا چھان مارا۔ پھر لس بیلہ کے راستے سندھ کے جنوب مغربی ساحلی علاقے میں پہنچے۔ وہاں غریب مچھیروں کی بستیاں بسی ہوئی تھیں۔ آپ نے اِن میں سے ایک بستی میں قیام کیا اور مچھیروں کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ وہیل شکاری کا جو قصّہ آپ نے نظم کیا ہے یہ اُنھی بستیوں میں سے کسی بستی میں سُنا ہوگا۔

یہاں سے آپ ٹھٹھہ گئے۔ یہ اُن دِنوں ایک بہت بڑا شہر تھا اور یہاں مخدوم خاندان رہتا تھا جس کے افراد بڑے بارسوخ رہنما سمجھے جاتے تھے۔

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

غار کی آواز

ایک دن آپ پہاڑیوں میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ کسی کے بڑی درد انگیز لَے میں گانے کی آواز سُنائی دی۔ یہ آواز ایک غار کے اندر سے آ رہی تھی۔ آپ از راہِ تجسّس اِس غار کے اندر داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک شخص آپ ہی کا ایک گیت جھوم جھوم کر گا رہا ہے۔ آپ کے پُوچھنے پر اُس نے بتایا کہ میں ساربان ہُوں۔ ایک دن میرا کارواں ہالہ کے قریب سے گزر رہا تھا، اُس وقت میں نے خانہ بدوش فقیروں کے ایک ٹولے کو کسی گیت کے یہ بول گاتے سُنا۔ اِن بولوں نے میرے دِل پر اِتنا گہرا اثر کیا کہ اپنے قافلے سے جُدا ہو گیا اور اب صحرا میں یہی بول دُہراتا پھر رہا ہُوں۔

یہ بول شاہ لطیف کے مشہور صحرائی رُومان سسئی پُنّوں کے شروع کے بول تھے۔ سسئی کہتی ہے:

اب میں اپنے محبوب پُنّوں کو ڈھونڈنے کے لیے اکیلی جاؤں گی۔

Scanned by CamScanner

شاہ لطیف کے دِل پر اپنی محبُوبہ کے فراق میں جو بیت رہی تھی اُس کی وجہ سے اُنھیں اندازہ ہو ہوگیا کہ ساربان کے درد و کرب کا کیا عالم ہے۔
آپ نے اُس سے پُوچھا کہ آیا وہ اِس گیت کے آگے کے بول بھی سُننے پسند کرے گا۔
ساربان نے یہ بول سُننے کا اِشتیاق ظاہر کیا۔ آپ نے اُسے سسّی پُنّوں کے اِن سے آگے کے بول سُنائے:

راہ میں دُشوار گُزار پہاڑی درّے
اور عمُودی ڈھلانیں ہیں

ساربان پر یہ بول سُن کر سکتہ طاری ہوگیا۔ اور اُس نے رُک رُک کر بڑی مُشکل سے الفاظ ادا کرتے ہوئے پُوچھا کہ تمھیں اِس گیت کے اِن سے آگے کے بول بھی یاد ہیں؟
آپ نے کہا "ہاں یاد ہیں" اور اُسے یہ بول سُنائے:

مگر میرا دُکھ اور میری آرزُو
تلاشِ محبُوب کے اِس طویل سفر میں
میرے وفادار ساتھی ہوں گے

ساربان پر اِن بولوں کا اِتنا اثر ہُوا کہ وہ

Digitized By M.Y.M.D

Scanned by CamScanner

بے ہوش ہوگیا۔

شاہ لطیف اِس اچانک واردات پر بھونچکا رہ گئے۔ اور جب آپ نے بے ہوش ساربان کے جسم کو ٹٹولا تو معلوم ہُوا کہ اُس کی رُوح قفسِ عُنصری سے پرواز کر چُکی ہے۔

آپ نے ساربان کو وہیں دفن کر دیا۔ اُس کی قبر آج بھی موجُود ہے۔ آپ اُس کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ میں نے اُس جیسا خُود حِس انسان نہیں دیکھا۔

واپسی

تین برس تک اِسی طرح جہاں گردی کرتے کے بعد آپ ٹھٹھہ واپس پہنچے جہاں مخدُوم مُعینُ الدّین نے آپ کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ شرُوع میں دونوں میں معمولی سا تعلّق رہا، پھر گہری دوستی ہوگئی۔ مخدُوم معینُ الدّین کو معلُوم تھا کہ شاہ لطیف کے والد اپنے بیٹے کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے بُہت ملُول ہیں اور دن رات اُس کے سلامتی سے واپس آنے کی دُعائیں مانگتے رہتے

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

ہیں۔ اُس نے کہہ سُن کر آپ کو گھر واپس چلے جانے پر آمادہ کر لیا۔

شاہ صاحب کے جذبات میں بھی جو تُندی تین برس پہلے تھی اب اُس کا وہ عالم نہیں تھا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکنے اور بھانت بھانت کے انسانوں سے ملنے کے بعد آپ عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کے فرق سے آگاہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ جس طرح اچانک گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے اُسی طرح اچانک وہاں جا بھی پہنچے۔

مگر اِس لطیف اور تین برس پہلے کے لطیف میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اب اس کا عشق عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو چکا تھا اور وہ معمولی عوامی گیتوں کو درسِ رُوحانیت کے پیکر میں ڈھالنے کا جادُو جان گیا تھا۔

اِدھر مرزا مُغل بیگ کے خاندان کے ساتھ یہ گُزری تھی کہ جن دِنوں شاہ صاحب فقیروں کی سنگت میں صحراؤں کی خاک چھانتے پھرتے تھے مسلّح ڈاکوؤں نے اُس کی گڑھی پر حملہ کیا۔ اُس وقت خاندان کے سب مرد سفر پر گئے ہوئے تھے۔ ڈاکوؤں کا مُقابلہ

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

کرنے کے لیے وہاں کوئی مرد موجود نہ تھا۔ ڈاکو گڑھی کا سارا مال اسباب لُوٹ کر لے گئے۔

جب مِرزا کے خاندان کے افراد سفر سے واپس پھرے تو اُنھوں نے ڈاکوؤں پر اُن کے اڈّے کے اندر گھُس کر حملے کے لیے آدمی جمع کرنے شروع کیے۔ شاہ لطیف کے سر سے مجازی عِشق کا جنُون اُتر چکا تھا۔ آپ نے یہ بات بھُلا دی کہ مِرزاؤں نے سیّدوں پر ظُلم کے پہاڑ توڑے تھے اور اُن کی مُصیبت میں اُن کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی اور اپنے خاندان کی اِمداد پیش کی مگر مِرزاؤں نے اِس اِمداد کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔

وہ اپنے ہی خاندان کے لڑاکا جوانوں کو لے کر ڈاکوؤں پر حملہ آور ہوئے مگر ڈاکوؤں نے سب کو موت کی نیند سُلا دیا۔ یُوں مرزا خاندان کے سارے مرد ختم ہو گئے۔

اب اِس خاندان کی عورتوں کو ہوش آیا اور اُنھوں نے سوچا کہ اُن پر یہ آفت سیّدوں کو ستانے کی وجہ سے ٹُوٹی ہے۔ چُنانچہ اُنھوں نے اپنے مردوں کے مظالم کا بدل کرنے کے لیے مِرزا

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

مُغل بیگ کی بیٹی سیّدہ بیگم کی شادی شاہ لطیف سے کر دی۔

یُوں شاہ صاحب کی محبت کا انجام مشرق کی بیش تر رُومانی داستانوں کے انجام جیسا نہیں ہُوا۔ اُن کی شادی اُن کی پسند کی اُسی لڑکی سے ہو گئی جس کے ملنے سے مایُوس ہو کر وہ تین برس تک صحرا بہ صحرا پھرے تھے۔

بیوی سے بے تعلّقی

مگر اب سیّدہ بیگم کی شادی شاہ لطیف کے جسم ہی سے ہوئی۔ اُن کا دِل اور رُوح دونوں خُدا کے ہو چُکے تھے۔ طویل سفر کے تجربوں اور مُشاہدوں نے ان کے باطن کو بالکُل بدل ڈالا تھا۔ اُن کے دِل میں عشقِ حقیقی بس چُکا تھا۔ اب وہ ہر چیز کو عشقِ الٰہی کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ ہر معمُولی داستان کو جو اُن کے کان میں پڑی، اُنھوں نے ایک رُوحانی تمثیل بنا ڈالا۔ جہاں سے گزُرے تھے، وہاں کے عوامی گیتوں اور قصّوں کو پُوری کہانی بیان کیے بغیر عشقِ حقیقی کی ایک دِل گُداز رمزی تمثیل

Scanned by CamScanner

بنا کر پیش کر دیا۔ سسّی تلاشِ محبوب کی مُہم ختم کرنے کو ہے۔ وہ کہتی ہے :

جب میں نے اپنے دِل کے اندر پناہ لی
اور جب دِل سے بات چیت کی
تو مجُھے معلوُم ہُوا کہ راستے میں کوئی پہاڑ نہیں ہے۔
اب مجُھے پُنّوں کی آرزُو نہیں رہی۔
سچ تو یہ ہے کہ میں خُود ہی
اپنا محبُوب بن گئی ہُوں
ڈھونڈنے والی سَسّی ایک (وقتی) درد تھا۔

شاہ صاحب کی اِزدواجی زِندگی ایک بند کتاب ہے۔اِس کے بارے میں آج تک کسی کو کُچھ معلُوم نہیں ہو سکا۔ البتہ اِتنا معلُوم ہے کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہُوا تھا جو بچپن ہی میں مر گیا تھا۔

اِس لڑکے کی موت کے سِلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دِن دوپہر کے وقت، جب گرمی کے مارے زمین آسمان تپ رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بے تحاشا بھاگا چلا جا رہا ہے۔ آپ کِسی اِنسان کو تکلیف میں مُبتلا نہ دیکھ سکتے تھے۔

Digitized By M.M.B

Scanned by CamScanner

اُس شخص کو جلتی دُھوپ میں سایہ دار مکان سے باہر جاتے دیکھ کر آپ نے اُسے روکا اور پُوچھا کہ جلتی دوپہر میں کہاں جا رہا ہے۔ اُس نے کہا "آپ کی بیگم صاحبہ نے تازہ مچھلی لانے کی فرمائش کی تھی۔ مچھلی ہاتھ لگ گئی ہے۔ وہ ان کی خدمت میں پیش کرنے جا رہا ہُوں"۔

شاہ صاحب نے بیوی سے پُوچھا کہ اس بیچارے کو تپتی دوپہر میں اِس دوڑ بھاگ پر کیوں مجبُور کیا تو معلوُم ہُوا کہ وہ حاملہ ہیں۔ مچھلی کھانے کو جی چاہا اِس لیے اِس مُلازم کو دوڑا دیا۔ آپ نے یہ بات سُن کر اُسی وقت بد دُعا کی کہ جو بچّہ بطنِ مادر ہی میں اِنسانوں کے لیے باعثِ تکلیف بنا، یہ پیدا ہی نہ ہو تو بہتر ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بچّہ پیدا ہوتے ہی مر گیا۔

عشقِ حقیقی کی منزلیں

اب آپ عِشقِ مجازی کی منزل سے گُزر کر عشقِ حقیقی کی منزل میں قدم رکھ چُکے تھے۔ آپ زِندگی کی راہ میں تلاشِ حق کے مُسافر بن گئے۔

Digitized By: M. Y. M. B

Scanned by CamScanner

آپ کی چشمِ جُستجُو پر ساری کائنات کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔ آپ کی ہمدردی اور محبت کسی ایک یا چند انسانوں تک محدود نہ رہی بلکہ اس کے دائرے میں ساری دُنیا کے سارے اِنسان آ گئے۔ مرزا مغل بیگ کی بیٹی کا عشق سب انسانوں کے عشق میں تبدیل ہو گیا اور اِس عشق کے ذریعے آپ خالقِ کائنات کے سچّے عاشق کے بُلند مقام تک جا پہنچے۔ جس جگہ آپ جا کھڑے ہوئے وہاں سے آپ کو اِنسانیت ناقابلِ تقسیم نظر آنے لگی۔ آپ کی شاعری اُن حدوں کو توڑنے لگی جنکے ذریعے اِنسانوں کو اِنسانوں سے جُدا کیا جاتا رہا ہے۔

اب آپ نے تمام دُنیاوی رشتے ایک ایک کرکے توڑ ڈالے اور راہِ طریقت میں عرفانِ ذات کی منزل میں قدم رکھا۔ آپ رات رات بھر غائب رہتے۔ کسی ایسے تنہا اور ویران مقام پر چلے جاتے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا اور وہاں اپنی باطنی کیفیتوں میں ڈُوب جاتے۔

عرفانِ نفس نے آپ کے شاعرانہ کمال کو روز ایک نئی بُلندی عطا کرنی شرُوع کر دی۔ اب آپ

Digitized By M.Y.M.D

Scanned by CamScanner

ایسے پُرتاثیر شعر کہنے لگے جو ہر طبقے کے لوگوں کی زبانوں پر چڑھ گئے۔

سندھ کے ہر علاقے میں زنان خانوں میں عورتیں آپ کے شعر گانے لگیں۔ کاشت کار ہل چلاتے میں آپ کے شعر گنگناتے، جنگلوں میں لکڑہارے لکڑیاں کاٹنے میں آپ کے شعر لہک لہک کر پڑھتے۔ جہاں گرد فقیر آپ کی عشقیہ نظموں کو گا گا کر سُناتے پھرتے۔ درویش سماع کی محفلوں میں آپ کے شعروں پر وجد میں آ کر رقص کرنے لگتے۔ مکتبوں میں اُستاد طلبہ کو آپ کے شعروں کے اصلی معانی سمجھا کر خوشی محسوس کرتے۔ غرض آپ کی رُوحانیت، شاعری اور اِنسان دوستی کا سارے سندھ میں شہرہ ہو گیا۔

آپ کی زندگی کا پہلا دَور وہ تھا جب آپ ایک جذباتی نوجوان اور نو آموز شاعر تھے۔ اُس دور میں آپ نے فِطرت کے مکتب میں تجربے کا سبق پڑھا۔ دُوسرے مرحلے میں آپ نے ایسی ذہانت کا اظہار کیا جو ہر بات کی تہ کو پہنچ جاتی ہے۔ تیسرے دور میں آپ کی رُوحانیت بڑھی اب آپ اُس مقام پر تھے جہاں اپنے باطن کا

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

تجزیہ کرنے کے بعد آپ غیرفانی اِنسانوں کی صف میں شامل ہوگئے تھے۔

شاہ صاحب کی بے پناہ مقبولیت اور ہردلعزیزی مٹیاری کے سیّدوں کو کھٹکنے لگی تھی۔ اُنھیں یہ اندیشہ ہُوا کہ اُن کی طرح شاہ صاحب بھی اپنی عظمت سے مادّی ترقّیاں حاصِل کرنے کا کام لیں گے جس سے اُن کا چراغ گُل ہو جائے گا۔ اُنھوں نے اُس زمانے کے حُکمراں نورُ محمّد کلہوڑا کو شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے خلاف بھڑکانا چاہا مگر شاہ لطیف کا کردار بے داغ اور آپ کا دِل کھوٹ سے مُبرّا تھا اِس لِیے حُکمران خاندان آپ کا دُشمن بننے کے بجائے اُلٹا آپ کا مُعتقِد ہوگیا۔

نورُ محمّد کلہوڑا بے اولاد تھا۔ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب کی دُعا سے اُس کے ہاں بیٹا ہُوا اِسی لِیے نورُ محمّد نے اُس کا نام غُلام شاہ (یعنی شاہ عبداللطیف کا غُلام) رکھا۔

کلہوڑا خاندان کے چھوٹے بڑے سب آپ کے اِتنے مُعتقِد تھے کہ ہر وقت آپ کے

Scanned by CamScanner

اِشارے کے مُنتظر اور اِس بات کے مُتمنّی رہتے تھے کہ آپ اُن سے کوئی فرمائش کریں مگر اِس درویش صِفت صُوفی شاعر نے اُن سے کبھی کوئی فرمائش نہ کی۔

رُوحانی ترقّی کا بُلند ترین مقام

جب آپ کی عُمر ۵۶ برس کی تھی، اُس وقت آپ کے والد کا اِنتقال ہُوا۔ آپ نے ہالہ حویلی کی سکُونت ترک کر دی اور بھٹ شاہ جا بسے۔ یہ ایک وِیران ٹیلا تھا مگر اِس کے اِرد گرد دُور دُور تک خُوش منظر مرغزار اور جنگل تھے۔

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ ٹیلا آپ نے خُود ہی بنایا تھا۔ مٹی ڈھو ڈھو کر ایک جگہ پر ڈالتے رہے، ٹیلا بنتا چلا گیا۔ سِندھی زبان میں بھٹ ٹیلے کو کہتے ہیں۔ آگے چل کر یہ ٹیلا بھٹ شاہ مشہُور ہو گیا۔ یہ کراچی پشاور شاہراہ پر حیدر آباد سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ایک جھیل کے

Scanned by CamScanner

کنارے پر ہے جسے کراڑ جھیل کہتے ہیں۔ اِسی پر شاہ لطیف کا عالی شان مقبرہ ہے جو آپ کی وفات کے بعد کلہوڑا خاندان نے تعمیر کرایا تھا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری سات برس بھٹ ہی پر گزارے۔ اُس زمانے میں زیادہ تر فقیر لوگ آپ کے پاس رہتے تھے۔ زمینداروں حُکام، پیروں اور مولویوں سے ملنے جُلنے کے آپ قائل نہیں تھے۔

جب آپ کی عمر ساٹھ برس کی ہوئی تو آپ کی پُر تقدیس زندگی اور پُر تاثیر شاعری کی کشش سے آپ کے معتقدوں اور مُریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا۔ آپ اپنی کارگزاری سے بہت مطمئن تھے۔ موسیقی کا شوق اِس زمانے میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اکثر اپنے گیت گوا کر سُنتے اور طنبورہ بھی بجواتے۔

یہ آپ کی رُوحانی اور شاعرانہ شخصیت کے اِرتقا کا بلند ترین مرحلہ تھا۔ آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ روز لوگ بھٹ شاہ کی

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

زیارت کے لیے جُوق در جُوق آتے۔

آخری وقت

جب آپ کو محسُوس ہونے لگا کہ اب موت کا وقت قریب ہے تو ایک ایسی تنہا و ویران جگہ میں چلے گئے جہاں اور کوئی نہ پہنچ سکتا تھا۔ وہاں بیٹھ کر آپ نے مُراقبہ کیا۔ اب آپ آخرت کے سفر کی تیاری کر رہے تھے۔

چند دن بعد آپ گوشۂ تنہائی سے باہر آئے۔ پہلے وضُو کیا پھر لیٹ گئے اور اپنے بعض شاگردوں سے فرمائش کی کہ میرے کچھ شعر گا کر سُناؤ۔

جب اشعار گا کر پڑھے جا رہے تھے اِس دوران میں آپ نے اپنے جسم پر ایک سفید چادر ڈال لی اور اِس دُنیا سے رُخصت ہو کر اپنے محبُوبِ حقیقی سے جا ملے۔

شخصیت

شاہ عبدُاللطیف بھٹائی بڑی قدآور شخصیت کے

Digitized By: M.K.M.B

Scanned by CamScanner

اکابر میں سے ہیں۔ سندھ کی سرزمین میں آپ سے عظیم تر انسان آج تک پیدا نہیں ہوا لیکن صرف اتنا کہہ دینے سے آپ کی عظمت کے اعتراف کا حق ادا نہیں ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ دُنیا بھر کے اُن چند عظیم انسانوں میں سے ایک ہیں جن کی عظمت اور بزرگی ہر دور میں مسلّم رہے گی۔

لوگوں کے دلوں پر آپ کی عقیدت کا اتنا زبردست سکہ بیٹھا ہوا ہے کہ آپ کو اس دُنیا سے رخصت ہوئے ۲۰۶۱ برس گزر چکے ہیں مگر اس عقیدت میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا ہے۔ ہر سال مقررہ ایام میں آپ کے مزار پر عرس ہوتا ہے اور ایک میلہ بھی لگتا ہے۔ اس عرس میں ہر دور میں شاہ صاحب کے عقیدت مند دُور دُور سے آکر شریک ہوتے رہے ہیں۔ ان عقیدت کیش زائروں میں بڑے بڑے ملکی اور غیر ملکی سیاست داں، حکم راں، شاعر، ادیب اور موسیقار شامل رہے ہیں۔ موجودہ دور میں صدر ایوب جیسے عظیم انسان بھی اس عرس

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

میں شرکت کر چکے ہیں۔

دو سو برس سے زیادہ طویل مدّت گزر جانے کے بعد بھی نہ اِس عُرس کی رونق میں کوئی فرق آیا ہے نہ شاہ صاحب کے ساتھ اِنسانوں کی محبت اور والہانہ شیفتگی میں فرق پڑا ہے۔

جو لوگ سال بہ سال اِس عُرس میں شریک ہوتے رہے ہیں اُن میں امیر اور غریب سبھی قسم کے لوگ آتے رہے ہیں اور آج بھی یہی عالم ہے مگر سب کا جوشِ عقیدت یکساں پُرخروش ہوتا ہے۔ گویا ہر طبقے اور ہر درجے کے لوگ آپ کو ایک عظیم رُوحانی بزرگ مانتے چلے آ رہے ہیں۔

پھر جو رسمیں دو سو برس پہلے ادا کی جاتی تھیں وُہی اب بھی ادا کی جاتی ہیں اور جس ڈھنگ سے ادا کی جاتی رہی ہیں وُہی آج بھی جُوں کا تُوں قائم ہے۔ آپ کے عُرس کے ایّام میں بھٹ کے ریگستان میں وہ رونق ہوتی ہے جو بادشاہوں کے درباروں کو بھی نصیب

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

نہ ہوئی ہوگی۔ شاہ صاحب نے اپنے ایک شعر میں سچ فرمایا ہے کہ جو خُدا کی یاد میں راتیں گزارتے ہیں اُن کی مٹی تک کو عظمت نصیب ہوتی ہے۔

آپ کے عقیدت مندوں میں سندھ اور پاک و ہند ہی کے لوگ نہیں ہیں اور مُلکوں میں بھی آپ کے عقیدت گزار موجود ہیں۔ چنانچہ ہر سال عُرس کے موقعے پر غیر مُلکوں کے لوگ بھی بھٹ شاہ آتے ہیں۔ پھر آپ کے مُتعلق جتنی کتابیں سندھی زبان میں ہیں اُس سے کہیں زیادہ انگریزی اور جرمن زبان میں موجود ہیں۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر چند شاہ صاحب نے سندھی زبان میں شعر کہے ہیں اور آپ کا جنم بُھوم سندھ ہے لیکن آپ کا پیغام آفاقی اور آپ کی شخصیت عالمگیر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوّف، شاعری اور موسیقی کی دُنیاؤں میں آپ سندھ کی جانب سے ایک غیرفانی پیش کش ہیں۔ اِن میدانوں میں سندھ میں تو اِن سے بڑا اِنسان ابھی تک

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

پیدا ہی نہیں ہُوا۔ دُوسرے مُلکوں میں بھی آپ جیسے کامِل اِنسان اُنگلیوں پر شُمار کیے جا سکتے ہیں۔

آپ کی اِس عظیم اور برتر شخصیت کے تین پہلو ہیں (۱) تصوّف (۲) شاعری (۳) موسیقی۔

تصوّف

تصوّف اور رُوحانیت سے آپ کا واسطہ تین رِشتوں سے ہے۔ پہلا رِشتہ خاندان کا اثر ہے۔ آپ کے خاندانی بُزرگ بڑے زبردست عالِم اور فنا فی اللہ صُوفی تھے۔ آپ کے دادا شاہ عبدالکریم بُلڑی اپنے دَور کے ایک مشہور دِینی بُزرگ اور صُوفی تھے۔ یہ بتایا جا چُکا ہے کہ آپ شعر کہا کرتے تھے۔ شاہ لطیف کو اُن کا دیوان رسالو اِتنا عزیز تھا کہ آپ قُرآن شریف، مثنوی مولانا رُوم اور رسالو ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔

تصوّف سے آپ کے واسطے کا دُوسرا رِشتہ آپ کا رُوحانیت کی جانب میلان تھا۔ آپ نے اِس میلان کا اظہار بچپن ہی سے کرنا

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

شروع کر دیا تھا۔ عہدِ طفلی میں بھی جب بچہ
عموماً کھیل کود سے زیادہ لگاؤ رکھتا ہے، آپ
صوفیوں، فقیروں اور بزرگانِ دین کی صحبت کو
کھیل کود اور اپنے ہم عمروں کی سنگت پر ترجیح
دیتے تھے۔

تیسرا رشتہ عہدِ جوانی کا وہ سانحہ تھا جس نے
عشقِ مجازی کی ناکامی کو عشقِ حقیقی کی جانب جھکنے
کا سبب بنا دیا۔

جب آپ شاہدِ حقیقی کے سچے پرستار بن
گئے تو آپ نے اُس کی راہ میں بے دھڑک
قدم بڑھایا۔ آپ نے اپنی ساری عمر اُس کی
تلاش میں بسر کی، ہر لمحہ اسی کام کے لیے
وقف کر دیا۔ دُنیا کی ہر شے میں اُس کا
جلوہ دیکھا اور ہر واقعے کو اُسی کی رضا
سے منسوب کیا۔ غرض دُنیا اور اُس کے تمام
لوازم کو ٹھکرا دیا اور سب سے مُنہ موڑ کر
خُدا کے ہو گئے۔

مگر چونکہ آپ خالقِ حقیقی تک اُس کی مخلوق
کی اُلفت اور محبت کے ذریعے پہنچنا چاہتے تھے

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

اِس لیے ترکِ دُنیا نہ کرکے خلقِ خُدا کی خدمت
کی۔ آپ کا تصوّف اور آپ کی رُوحانیت دُنیا
اور اِنسانوں سے بیزاری کا مسلک نہیں ہے بلکہ
یہ اِنسانی مُساوات، باہمی اُخوّت، صُلح جوئی اور حُسنِ
سُلوک کا طریق ہے۔

آپ کا تصوّرِ رُوحانیت یہ ہے کہ خُدا نے
اِنسان کو اشرفُ المخلوقات بنا کر جو منصب عطا
کیا ہے یہ اُس پر ایک بہت بڑی ذمّہ داری
ہے۔ اسے پُورا کرنے کے لیے خُدا تک
پہنچنے کی جدّ و جہد، اِنسانوں کی خدمت اور
خلُوص و ایثار کی ضرورت ہے۔ اِسی لیے
آپ نے نیکی، راست روی، بھائی چارے، حُسنِ
عمل، خدمتِ خلق، ظاہر و باطن کی یکسانیت، خُدا
پرستی اور دین داری کی تلقین کی۔

آپ کے نزدیک اِنسان کی زندگی کا حقیقی مقصد
محبُوبِ حقیقی تک پہنچنا اور اپنی ہستی کو اُس
میں ضم کر دینا ہے۔ یہ کام بڑا کٹھن ہے۔
مگر قرآن مجید اور اُسوۂ رسُولؐ کو چراغِ راہ
بنایا جائے تو عشقِ حقیقی کی دُشوار راہ بڑی

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

آسانی سے طے ہو جاتی ہے۔

شاعری

آپ کی عظیم شخصیت کا دُوسرا پہلو آپ کی شاعری ہے۔ ہر چند اس کا آغاز اُس وقت ہُوا جب آپ نے مرزا مُغل بیگ کی حسین و جمیل دُختر کے عشق میں ناکام ہو جانے کے بعد صحراؤں اور ویرانوں کی خاک چھاننی شروع کی مگر آپ کی شاعری بہت جلد ابتدائی مرحلوں سے گزر کر عشقِ حقیقی کے اظہار کی زبان بن گئی۔

آپ کا نظریۂ شاعری یہ ہے کہ شاعری بجائے خُود کوئی مقصد نہیں بلکہ مقصد کے حصُول کا ذریعہ ہے۔ آپ کے سامنے جو مخصُوص مقصد تھا وہ یہ ہے کہ انسانوں میں اس زندگی کا وقُوف پیدا کیا جائے جو وہ اس دُنیا میں گزار رہے ہیں اور اس زندگی کے صحیح مصرف سے باخبر کرنے کے بعد اُنھیں اپنے حقیقی آقا کو تلاش کرنے کے قابل بنایا جائے تاکہ وہ اپنے

Digitized By M.M.B

Scanned by CamScanner

معبودِ حقیقی سے رِشتہ قائم کر سکیں ۔

آپ کی شاعری کا یہ نصب العین اِسلامی تصوّف اور قرآنی تعلیمات پر مبنی ہے ۔ اِس لحاظ سے آپ کی شاعری کا ماخذ قرآن شریف ہے اور آپ زرے شاعر نہیں ہیں بلکہ اِسلام کے مُبلّغ بھی ہیں ۔

آپ کے شعر پڑھ کر ایران کے غیر فانی صُوفی شاعروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے مگر آپ نے تصوّف کو عوام تک پہنچانے کا جو اسلوب اختیار کیا وہ اُن کا اپنا ہے ۔ اُن کا اندازِ فکر تو ایرانی صُوفی شاعروں جیسا ہی ہے کیونکہ سب کے سرچشمے مُشترک ہیں مگر شاہ صاحب نے ایران کے صُوفی شاعروں کی نقّالی نہیں کی ۔ آپ نے سندھی عوام میں پھیلے ہوئے قصّوں بالخصوص عشقیہ داستانوں کو اپنی شاعری کا موضُوع بنایا اور اُن کو رُوحانی تمثیلوں کا رنگ دے دیا ۔

محبُوبِ حقیقی کی تلاش میں جو نتائج آپ نے اخذ کیے وہ بھی آپ کے ذاتی تجربات کا

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

حاصل تھے اور اُن تجربات کو جس شاعرانہ اسلوب سے ادا کیا وہ بھی آپ کا اپنا تھا۔ آپ نے عوامی عشقیہ داستانوں کو تصوّف کی تلقین کا مواد بنانے میں تشبیہات اور اِستعارے وُہی اِستعمال کیے جن کا تعلق سندھ کی اُس دور کی عوامی زندگی سے تھا۔ یُوں آپ نے شعر کی زبان میں باتیں تو وُہی کہیں جو تصوّف کی تعلیمات تھیں مگر عوامی داستانوں اور عوامی زبان میں کہیں تاکہ اُن عوام کے دلوں میں اُترتی چلی جائیں جن تک پُہنچنی چاہیے تھیں۔

ایک نظم میں آپ نے اِسی اسلُوب میں یہ نکتہ سمجھایا ہے کہ جو لوگ عِشقِ حقیقی کی راہ میں قدم رکھتے ہیں اُنھیں شرُوع شرُوع میں کیا دُشواریاں پیش آتی ہیں۔ ذیل میں اِس کا اُردو میں ترجمہ کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ شاہ صاحب کیا کمال کرتے ہیں۔

مُجھے بتاؤ میری آنکھوں نے کیا دیکھا ہے!

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

یہ قابو سے باہر کیوں ہو رہی ہیں ؟
اُنھوں نے محبوب کے حُسن کا جلوہ دیکھ لیا ہے
اس لیے ان کا رنگ سُرخ ہو گیا ہے !!
میری آنکھیں بھٹّی کی طرح جل رہی ہیں
اِن میں یادیں تڑپ رہی ہیں
میں سو گیا مگر میری آنکھیں جاگتی رہیں
اور محبت کے تاب افروز اِشارے کرتی رہیں
وہ اپنے راستے پر بڑھی چلی گئیں
جہاں مُصیبتیں اُن کا اِنتظار کر رہی ہیں
اُن کی بصارت ختم ہو گئی
میرا دِل اُن سے بچھڑ کر رات بھر روتا رہا۔
مگر راہِ سلوک کا مُسافر جب ایک دفعہ اِس راہ پر چل نکلتا ہے تو وہ واپس نہیں آ سکتا خواہ اُس کی جان چلی جائے۔ محبت کی راہ میں موت عاشق کی وفاداری کا ثبوت ہے اِس لیے اُسے خُدا کی بھیجی ہوئی چیز سمجھ کر قبول کرنا چاہیے :
مجھے باہر سے پھانسی کی پُکار سُنائی دے رہی ہے
اے بہن ! کیا تو ہمت کر سکتی ہے

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

صرف وُہی اِس راہ میں قدم رکھتیں
جو پیمانِ محبت بھُول نہ گئے ہوں۔

راہِ سلوک کا مُسافر سفر جاری رکھتا ہے۔ پھر وہ منزل آتی ہے جس میں یادِ محبُوب اور سب کچُھ بھُلا دیتی ہے۔ اب عاشق سوتے جاگتے محبُوب ہی کا ذِکر کرتا ہے اور اُس کا سونا بھی جُزوِ عبادت ہوتا ہے۔ اِس کے بعد کے مرحلے میں عِشقِ حقیقی کے راستے کا رہرو نادیدہ کے دروازے پر جا پہُنچتا ہے۔

گویا آپ نے تصوّف کی تعلیم کو عوام کی روز مرّہ زِندگی کی باتوں اور کاموں کا جامہ پہنا دِیا اور اِس کے اِظہار کے لِیے جو زبان اِستعمال کی وہ بھی عوام ہی کی زبان تھی، اِس لِیے آپ کے شعر بہت جلد خواص کے علاوہ عوام میں بھی مقبُول ہو گئے۔ لوگ آپ کا کلام اِس طرح سُنتے جیسے جادُو ان پر اثر کر رہا ہے۔ اِس طرح شاہ صاحب نے عوام کو اُنھی کی باتوں کو اپنے بیان کے ذریعے رُوحانیت کے رنگ میں رنگ دِیا۔ وہ مانوس الفاظ اور مانوس زبان نیز شاہ کی شاعری

کی موسیقی سے مسحُور ہو کر غیر شعُوری طور پر تصوُّف کی تعلیمات کو اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اُتار لیتے۔

سُننے والوں پر اُن کے کلام کے طرح طرح کے اثرات پڑتے۔ کوئی اُن کے صُوفیانہ خیالات کو سراہتا، کوئی اُن کی نازک خیالیوں سے مُتاثّر ہوتا اور کوئی اُن کے اندازِ بیان پر جھُومتا۔ مگر شاہ صاحب کے اِس سہ گانہ سحر سے مقصد وُہی پُورا ہوتا جو آپ کے پیشِ نظر تھا یعنی عوام میں رُوحانیت پھیلانا۔

آپ نے اپنی جوانی کے زمانے میں سِندھ کا پُورا علاقہ چھان مارا تھا۔ اِس سفر میں آپ نے ہر جگہ کے عوام کی حالت اور اُن کی مُشکلات کا گہرا مُشاہدہ کیا تھا۔ اِس مُشاہدے سے کام لے کر آپ نے عوامی زندگی کی ایسی تصویریں کھینچیں کہ کوئی جُزوی تفصیل تک نہ چھوڑی۔ سیدھے سادے دیہاتیوں کے رہن سہن کے ڈھنگ، ان کا معاش حاصِل کرنے کے لیے دِن رات خُون پسینہ ایک کرنا، غریب کاشتکاروں

Scanned by CamScanner

کے دُکھ اور ان کے غم، دیہاتی عورتوں کا سُوت
کاتنے اور وقت گزاری کرنے کے لیے چرخا کاتنا،
بارش کے پہلے چھینٹے سے کھیتوں کے ہونٹ
تر ہونے پر دہقانوں کی خوشی، غرض اِسی طرح
کے صدہا موضوع شاہ صاحب نے اپنے اشعار
کے مواد کے طور پر اِستعمال کیے ہیں۔ مگر ہر
جگہ جو نتیجہ نِکالا ہے وہ رُوحانیت کی تلقین لیے
ہوئے ہے اور ہر موضوع کے پس منظر میں تصوّف
کی تعلیم صاف جھلک رہی ہے۔

عوامی زِندگی کو موضوعِ شاعری بنانے سے
شاہ صاحب کی شاعری میں ایک خصُوصی وصف
یہ پیدا ہوگیا کہ یہ اپنے دَور کا آئینہ بن گئی۔
آج بھی ہم اس آئینے میں دیکھ سکتے ہیں کہ
دو سو سولہ برس پہلے سِندھ کے صحرا میں اُونٹ
کِس طرح دوڑتے تھے، گاؤں میں شادیوں کی
تقریبوں میں کیا کیا ہوتا تھا، لوگ کتنی قسموں کے
اُونٹ رکھا کرتے تھے، عوام میں کیا کیا رسمیں مُروّج
تھیں، کون کون سی تقریبیں کِن کِن موقعوں پر
ہُوا کرتی تھیں اور ان میں کون کون سے گیت

Digitized By M.Y.M.B
Scanned by CamScanner

گائے جاتے تھے۔

مگر شاہ صاحب کا کمال یہ ہے کہ آپ سندھ کی عوامی زندگی کی کوئی تصویر پیش کرنے میں بھی اخلاقی اقدار اور رُوحانیت کی تلقین کر جاتے ہیں۔

غوطہ خور لنکا پہنچنے کے لیے بے قرار ہیں، جہاں اُنھیں سمندر کی تہ میں سونا ملنے کی قوی اُمید ہے۔ وہ آپس میں بڑی بے تابی سے سونے کی تلاش کی مُہم کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ چُونکہ انھیں بڑی جلدی ہے اِس لیے سُورج نکلنے سے پہلے ہی روانہ ہو جانا چاہتے ہیں اور دبا دب چپّو چلاتے ہوئے قارون پہاڑ کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ شاہ صاحب اِس موقع کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں:

دریاؤں نے ہر قسم کی زمین کو سیراب کر دیا ہے
جھونپڑیوں میں دُودھ بلویا جانے کی آوازیں آتی ہیں
وہ امیر تو نہیں ہیں مگر خوش ہیں

ایک عشقیہ داستان میں ہیروئن کی زبان سے کہلوایا ہے:

Scanned by CamScanner

یہ بات میرے خون میں نہیں کہ اپنے رشتے داروں کو
سونے کے بدلے بیچ ڈالوں
یہ بُری رسم تو عمرکوٹ ہی میں ہے
میں اپنی حقیر جھونپڑی دے کر تمھارا محل کبھی نہ لوں گی
ایک اور جگہ ان کی ہیروئن کہتی ہے:
میں نے یہ اوڑھنی آرسی مصحف کے وقت اوڑھی تھی
میری کلائیوں کے گرد سُوت کے دھاگے
تمھارے زیورات سے زیادہ قیمتی ہیں۔

آپ نے اپنی زندگی اِنھی مردوں اور عورتوں میں بسر کی تھی جن کی باتیں شعروں میں بیان کرتے تھے اِس لیے عوام کو اُن کے اشعار میں اپنے جذبات اور احساسات بولتے محسُوس ہوتے تھے اور اُن کے ہر لفظ میں اپنے دلوں کی دھڑکنیں سُنائی دیتی تھیں۔

یہ حال اُسی زمانے کے عام اِنسانوں کا نہیں تھا، آج بھی عام لوگ جب شاہ لطیف کا کوئی شعر پڑھتے یا سُنتے ہیں تو اُنھیں ایسا محسُوس ہوتا ہے جیسے اُن کی ایک آرزُو یا غم کو شاعر نے اُن سے زیادہ دِل کش انداز سے بیان

کر دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب نے جو شعر اب سے دو سو سولہ برس پہلے کہے تھے وہ آج بھی تازہ واردات کا بیان معلوم ہوتے ہیں اور ہر طبقے کے افراد اُن سے لُطف اُٹھاتے ہیں۔ سُننے والے کو اپنا دِل شاہ صاحب کے شعر میں دھڑکتا محسُوس کر کے ایک قِسم کی رُوحانی تسکین مِلتی ہے۔

آپ کی شاعری کا اصل موضوُع تو یہ تھا کہ زندگی کے سفر میں اِنسانی رُوح کو کیا تکلیفیں پیش آتی ہیں، عرفانِ ذات کی منزل تک پہنچنے کے لِیے اُسے کِتنی جدّ و جہد کرنی پڑتی ہے اور عشقِ خُداوندی میں رُوح کو کیسا اِہتزاز محسُوس ہوتا ہے مگر آپ نے لفظی طور پر عوام کی زِندگی کے روز مرّہ کے واقعات کو موضُوعِ سُخن بنایا اور رُوحانی موضوعات کو اُن میں سمو کر تلقین کو عصری زِندگی کی منظر کشی میں چھپا دیا۔

یُوں بھٹائیؒ کی شاعری سِندھ کی زِندگی کا ایک ایسا جُزو بن گئی جسے اس کی تاریخ، روایات اور

Scanned by CamScanner

تہذیب سے کسی طرح الگ نہیں کیا جا سکتا مگر اُن کی شاعری کا حقیقی موضوع رُوحانیت ہی ہے اِس لیے یہ شاعری کسی علاقے کی پابند نہیں بلکہ آفاقی ہے۔

آپ کی شاعری اِس اہم سوال کا جواب ہے کہ انسانی زندگی کا حقیقی مقصد کیا ہے۔ آپ کے نزدیک وہ مقصد ہے انسان کا خُدا تک پہنچنا۔ اور چونکہ اُس تک پہنچنے کا صحیح راستا اُس کے بندوں کی خدمت ہے اِس لیے اِنسانی زندگی کا مقصد ہے محبُوبِ حقیقی کی مخلُوق کے ذریعے اُس تک رسائی حاصل کرنا۔

ڈاکٹر ایچ۔ ٹی سورلے نے اپنی ایک کتاب میں دو ہزار برس کے عرصے کے سات زبانوں کے بہترین شاعروں کے اشعار کا انگریزی زبان میں شعروں ہی میں ترجمہ کیا ہے۔ اِن سات شاعروں میں آپ نے شاہ لطیف بھٹائی کو بھی شامل کیا ہے اور اپنے تبصرے میں آپ کو بہترین شاعر قرار دیا ہے۔

موصُوف نے شاہ صاحب کی شاعرانہ عظمت کے

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

سر یکتائی کا تاج اِسی لیے رکھتا ہے کہ آپ کی شاعری عوامی زندگی کی عکاسی کے ذریعے رُوحانیت کی تلقین ہے۔

آپ اکتسابی شاعر نہیں تھے بلکہ ایک بُلند پایہ وجدانی شاعر تھے۔ اِس بنا پر آپ صرف اُسی وقت شعر کہتے تھے جب آپ کا باطن خُدائے عزّ و جل سے ہم کلامی کا شرف حاصِل کرتا ہوتا تھا۔ چُنانچہ اُن لمحات میں جو تخیئلی گُہر ریزے آپ کے ہونٹوں سے گِرتے تھے وہ ایک ایسے قلب صافی کے ٹکڑے ہوتے تھے جس میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملنے کا ناقابِلِ برداشت جوش و خروش ٹھاٹھیں مارتا ہوتا تھا اور چونکہ آپ کی شاعری وہبی تھی اِس لیے اشعار بے ساختہ اُترتے چلے آتے تھے۔

آپ نے نہ کبھی ایسے شعر کہے جو کوشِش کا نتیجہ ہوتے ہیں نہ عمداً اشعر موزُوں کیے۔ اِسی طرح آپ کی شعر گوئی کِسی خاص ذہنی حالت یا قلبی کیفیّت کی بھی پابند نہیں تھی۔ جب کبھی جو کچھ کہا، بے ساختہ کہا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ شعر کہتے کہتے آپ پر اِستغراق کی کیفیت طاری

Scanned by CamScanner

ہو جاتی تھی اور آپ مُراقبے میں چلے جاتے تھے۔
اِسی طرح بعض اوقات جو شِعر آپ کہتے تھے،
وہ مُشاہدۂ نفس یا تزکیۂ باطن کی شِدّت کی
پیداوار ہوتے تھے۔

اِسی لیے شاہ صاحب نے اپنی شاعری کے
بارے میں یہ کہا ہے کہ

جي تون بيت پائين، سي آيتون آهين
نيو من لائين، پريان سندي پار ڏي

(جن کو تم شعر سمجھتے ہو وہ حقیقت میں آیتیں ہیں
اِس لیے کہ وہ رُوح کو دوست (خُدا) کی طرف
لے جاتے ہیں) ۔

شاہ لطیف کا یہ دعوٰے کہ اُن کے شِعر
آیتیں ہیں یعنی وہ خُدا نے اُن کے قلب پر
نازل کیے ہیں کوئی بے بُنیاد دعوٰے یا شاعرانہ
تعلّی نہیں ہے۔ شاہ صاحب کی شعر گوئی کا
واحد مقصد شاہدِ حقیقی سے ہم کلامی اور اِس
کے نتائج کی روشنی میں اُس کے شیدائیوں کو اُس
تک پہنچنے کے راستے بتانا ہے اِس لیے ظاہر ہے
کہ جو شعر آپ نے کہے وہ ا ہی نے آپ کی

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

زبان سے کہلوائے۔

جن لوگوں نے آپ کو شعر کہتے دیکھا اُن کا بیان ہے کہ، آپ شعر قلمبند نہیں کرتے تھے۔ جب آپ پر وجد کی حالت طاری ہوتی شعر آپ کے مُنہ سے بے اختیار نکلنے لگتے۔ جو فقیر یا مُرید اُس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ جلدی جلدی لکھتے جاتے اور کاغذ کے جن پُرزوں پر یہ اشعار لکھتے اُنھیں ایک مٹکے میں ڈال دیتے۔

ایک اور روایت اِس سلسلے میں یہ ہے کہ جب شاہ صاحب شعر گاتے تھے تو آپ کے مُرید اُنھیں حفظ کر لیتے تھے یا وہ درویش یاد کر لیتے تھے جو اُس وقت آپ کے قریب موجُود ہوتے تھے۔

دِیوان

شاہ صاحب کے دِیوان کی ترتیب و تدوین کے بارے میں بھی مُختلف روایات مشہُور ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کا دِیوان آپ کی

Digitizied By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

زندگی میں مُرتّب کر لیا گیا تھا لیکن جب آپ کے مُریدوں نے فرطِ عقیدت سے اِسے چُومنا شروع کر دیا تو آپ نے اُن کی اِس حرکت پر ناپسندیدگی کا اِظہار کیا اور دِیوان کو جھیل میں پھنکوا دیا۔

ایک اور روایت کے مُطابق دِیوان ضائع ہو جانے کے بعد اُن فقیروں نے، جو ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، یہ اِصرار کیا کہ آپ اپنا دِیوان دوبارہ مُرتّب کروائیں۔ آپ پہلے تو ٹالتے رہے مگر جب اُن کا اِصرار بڑھا تو اُس عورت کو طلب فرمایا جسے آپ کا پُورا کلام زبانی یاد تھا۔ اُس عورت کا نام مائی نعمت بتایا گیا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ فقیروں نے اِس عورت سے آپ کا کلام سُن سُن کر دوبارہ دِیوان مُرتّب کیا اور اِس کا نام 'گنج' رکھا۔

گنج اُن فقیروں میں سے ایک فقیر کے پاس رہا۔ اُس کا نام تمر تھا۔ تمر کے مر جانے کے بعد اُس کی اولاد گنج کی مُحافظ بنی رہی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا دِیوان

Digitized By M.M.P

Scanned by CamScanner

آپ کی وفات کے بعد مُرتّب کیا گیا تھا اور یہ کام اُن فقیروں نے کیا تھا جو ہر وقت آپ کے پاس رہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے آپ کے اشعار کو ایک کتاب کی شکل دے کر اُس کا نام گنج رکھا تھا۔ یہ گنج آج بھی بھٹ شاہ میں موجُود ہے۔

گنج میں اشعار کا وافر ذخیرہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب کے بہت سے اشعار ضائع ہو گئے۔ مگر جتنے باقی رہ گئے یہ بھی چودہ سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ پُورے دیوان کو چھتّیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور پھر ہر باب میں بھی مختلف عنوانات ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ فقیروں نے جو کتاب مُرتّب کی تھی (جس کا نام گنج رکھا تھا) یہ ابتدائی شکل میں تھی۔ ۱۸۶۶ء میں ایک عیسائی پادری ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ نے اسے پہلی بار زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔

اس کے بعد ۱۸۶۸ء میں بمبئی سے اسے اور بھی بہتر شکل میں شائع کیا گیا۔ یہ کارنامہ

Scanned by CamScanner

ایک صاحب قاضی ابراہیم کا تھا۔

یہ دونوں نسخے پُرانے فارسی رسمِ خط میں تھے اس لیے اِن کو پڑھنے میں خاصی دِقّت محسُوس ہوتی تھی۔ ۱۹۰۰ء میں 'گنج' کو موجودہ سندھی رسمِ خط میں چھاپا گیا۔

اِس کے بعد ۱۹۳۰ء میں مرزا قلیچ بیگ نے از راہِ عقیدت گنج کو خاصی مُزیّن شکل میں چھاپا۔ پھر ۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر گُربخشانی نے اسے ایک مختصر سی شرح کے ساتھ شائع کیا۔ سندھی ادبی بورڈ قائم ہونے کے بعد شاہ صاحب کے کلام کی نشر و اشاعت کا ایک نیا دَور شرُوع ہُوا۔

نمونۂ کلام

آپ کے چند اشعار بطور نمونہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

ھل نہ ھیکا ندي ٿئين، ويھي وجھ مَر ديرَ،
دل ۾ آڙُ مَ دور تون، قرڙُ، سندو قير
تو ڏي ڏُکين نہ پيرَ، پڙ راحت رڙُ ۾

(چلتے رہو، بیٹھ کر وقت ضائع نہ کرو۔ اپنے دل میں حق کی تلاش اور جستجو کا مصمم ارادہ رکھو۔ اگر تمھیں منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ناکامی ہو تو بھی حق کی خاطر بیابان میں بھٹکنے میں راحت ہے)

نھائیءَ کان نیڻھیں، لسک منھنجا سرین،
ستري سارو ڏينھن، ٻاھہ ٻاڦ نہ کيلدي

(اے میرے دوست، اگر محبت سیکھنی ہو تو بھٹی سے سیکھو جو تمام وقت جلتی رہتی ہے لیکن بھاپ باہر نہیں نکالتی)۔

ٻاچاڪي نہ ٻاتريان، سريتون سيءَ ساڙ
ڏيي اگھاڙن کي کيَين ڍڪيائين ٻاڙ
ٻيھر چالي ٻي چاڙ، ابرجي اوصاف کي۔

(اے دوست، بادشاہی بھی سوئی کے مقابل ہیچ ہے اس لیے کہ سوئی نیکی کرتی ہے۔ وہ دوسروں کو لباس پہناتی ہے مگر خود ننگی رہتی ہے)۔

انھنءَ ٻھر ادب لين جي کتن آ کنبن
تن جو صرافن، تورو قوليو ڪن کي

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

(جو لوگ تمام وقت چرخا کاتتے (بندگی کرتے) ہیں اور پھر بھی اللہ سے ڈرتے ہیں، اُن کی محنت (عبادت) ضرور قبول کی جاتی ہے) ۔

اللہ! ڈاھی ہَم نَتِیاں، ڈاھیون ڈُکَ ڈُسن

(اے اللہ میں عقل مند نہ ہُوں تو اچھا ہے ۔ عقل مند لوگ ہمیشہ دُکھ میں رہتے ہیں) ۔

چاڑُ مَ کُجُ چاڑُ سین، رہئَ وسیلی وِڌ

لانس لتھین لَڌ، عشق جنھیں جی اگ اھ

(جس کا مُرشد عشق ہے وہ ضرور منزل پر پہنچے گا ۔ بغیر وسیلے کے آگے بڑھو اور اپنے آپ کو یک لخت بھلا دو) ۔

موسیقی

شاہ لطیف کے بارے میں تحقیق بہت کم کی گئی ہے اور جتنی کچھ کی گئی ہے وہ صرف شاعری کے مُتعلق ہے ۔ آپ کی موسیقی کی مہارت کے سلسلے میں ابھی تک جتنی تحقیق ہوئی ہے، وہ نہ ہونے کے برابر ہے ۔

آپ ایک غیرفانی شاعر اور رُوحانی بزرگ

Digitizied By: M. Y. M. B

Scanned by CamScanner

ہونے کے علاوہ ایک مخصوص طرزِ موسیقی کے مُوجد بھی تھے۔ آپ کی شاعری کی بحریں اور وزن اِسی کی طرز کی پابند ہیں۔

چونکہ زیادہ چرچا آپ کی شاعری اور رُوحانیت ہی کا ہُوا اِس لیے یہ بات مشہُور نہ ہُوئی کہ آپ موسیقی میں بھی ایک جوہرِ قابل کا درجہ رکھتے تھے۔ اصل میں آپ کی موسیقی دانی آپ کی شعر گوئی میں ضم ہوگئی ورنہ واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے موسیقی میں ایک نئی روایت کی بُنیاد رکھی ہے۔

امیر خسرو (۱۲۲۵-۱۳۵۰ء) نے ایک جدید موسیقی اِیجاد کی تھی۔ یہ عربی، ایرانی اور ہندی موسیقیوں کو مِلا کر پیدا کی گئی تھی۔ اِس کی تشکیل میں بھی امیر خسرو نے اپنی اِسی صلاحیّت سے کام لیا تھا جس کے جوہر ایک نئی زبان بنانے میں دکھائے تھے۔ جس طرح آپ نے عربی اور فارسی میں بھاشا کے لفظ مِلا کر ایک دیسی زبان بنائی جس کا نام آگے چل کر اُردو پڑ گیا، اِسی طرح ایک دیسی یا ہندوستانی موسیقی اِیجاد کرنے

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

کے لیے اُنھوں نے عربی موسیقی اور ایرانی موسیقی میں ہندی موسیقی کی روایات مِلا دیں۔

امیر خسرو کے تقریباً چار سو برس بعد شاہ لطیف نے موسیقی میں ایک ایسی تحریک شروع کی جو ایک لحاظ سے امیر خسرو کی تحریک کی ضد تھی۔ آپ نے عربی موسیقی اور ایرانی موسیقی کی تجدید کی تحریک اُٹھائی۔

مگر آپ نے یہ تحریک محض اس لیے شروع نہیں کر دی تھی کہ امیر خسرو کی مخالفت مقصود تھی اور آپ سنگیت کی دُنیا میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کا شوق رکھتے تھے۔

آپ امیر خسرو کی ایجاد کردہ موسیقی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے کیونکہ ٹھٹھ، جو قدیم سندھ کا دارالخلافہ تھا، مُغلوں کے عہد میں موسیقی کا مرکز بنا رہا تھا۔ اس موسیقی کا عہد بہ عہد مُطالعہ کرنے اور اپنے دَور میں اس کے رنگ ڈھنگ کا بغور مُشاہدہ کرنے کے بعد آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس میں مصنوعی اور غیر فطری اضافے ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اِن اضافوں کی بھرمار سے اس

Digitized By M.A.M.B

Scanned by CamScanner

کی بے ساختگی اور اِرتقا میں فرق آ گیا ہے چُنانچہ ضرُورت ہے کہ کوئی اِنقلابی قدم اُٹھایا جائے۔
آپ نے یہ اِنقلابی اِقدام اِس شکل میں کیا کہ ایرانی موسیقی اور عربی موسیقی کی تجدید کی اور اِس میں سندھ کی عوامی موسیقی سے اِستفادہ کیا۔

اِدارۂ موسیقی کا قیام

اِس نئی موسیقی کو رواج دینے کے لیے آپ نے ۱۷۴۲ء میں بھٹ شاہ میں موسیقی کا ایک اِدارہ قائم کیا، جس کی حیثیت موسیقی کے ایک عظیم الشان مدرسے کی سی تھی ۔ یہ زمانہ وہ تھا جب آپ نے بھٹ شاہ میں مُستقل سکُونت اِختیار کر لی تھی ۔

اِس اِدارے میں آپ نے ایسے موسیقار تیّار کیے جو آپ کی نئی موسیقی کے قاعدوں کے مُطابق گاتے تھے ۔ دس برس کی مُختصر مُدّت میں آپ کی تربیت کے فیض سے لا تعداد نئے موسیقار تیّار ہو گئے ۔

ہر جمعرات کی رات کو یہ موسیقار اپنے جوہر

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

دکھاتے اور نئی موسیقی کے تجربے کیے جاتے۔ نمازِ عشا کے بعد سے صبح کی اذان تک بھٹ شاہ میں نغموں کا ایک طوفان برپا رہتا۔

اِن موسیقاروں کے گانے کے لیے آپ نے نظموں کو راگوں اور راگنیوں کے لحاظ سے مُختلف حِصّوں میں تقسیم کیا اور چُونکہ آپ خُود بھی گایا کرتے تھے، گا گا کر اُنھیں بتایا کہ کون سے حِصّے کی نظمیں کِس راگ یا راگنی میں گائی جائیں۔

اپنی اِیجاد کردہ موسیقی کے قاعدوں کے مُطابق گانے کے طریقے رائج کرنے میں آپ کو دس برس لگے مگر جب یہ طریقے رائج ہو گئے تو ایسے موسیقاروں کی ایک کھیپ کی کھیپ تیار ہو گئی جنھوں نے سِندھ میں موسیقی کا رنگ پلٹ دِیا۔

ادارۂ موسیقی قائم کرنے کے علاوہ آپ نے ایک قدم اور بھی اُٹھایا جس سے سازوں کی دُنیا میں ایک اِنقلاب آ گیا۔ آپ نے ایک نیا آلۂ موسیقی اِیجاد کیا۔

پنج تارا

شاہ صاحب کے زمانے میں طنبورے میں

Scanned by CamScanner

چار تار ہُوا کرتے تھے اور یہ چوتارا کہلاتا تھا۔ آپ نے پانچ تاروں والا طنبورہ اختراع کیا جو پنج تارا کہلایا۔

اِس نئے آلۂ موسیقی کی بناوٹ یُوں تھی کہ اِس کے ایک سرے کے تار کا نام "زبان" رکھا۔ اِس پر مدھ سپتک کا پنچم سُر بجایا جاتا تھا۔ گویا آپ نے کھرج کے بجائے پنچم کو بُنیادی سُر بنایا۔ اِس تبدیلی سے طنبُورہ اصلی عربی، ایرانی روایات کے مُطابق ہو گیا۔

اس نو ایجاد طنبورے کے باقی چار تاروں میں سے پرلے سرے کے پہلے تار پر مندرا سپتک کا "سا" سُر بجایا جاتا تھا، دُوسرے اور تیسرے تار پر مدھ سپتک کا "سا" سُر اور چوتھے پر تار سپتک کا "تا" سُر بجاتے تھے۔ پُرانے چوتارے میں تار سپتک کا "تا" سُر بجانے کا تار نہیں تھا۔ اِس کا اضافہ شاہ صاحب نے کیا۔

اِس کے علاوہ آپ نے طنبُورے ہی سے دَف یا ڈھولک کا کام بھی لینا شرُوع کیا۔ اِس سے آپ کا مقصد تال کے پیچیدہ طریق کو

Digitized By M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

ترک کر کے اُسے آسان بنانا تھا ۔ آپ نے صِرف دو تالوں کا طریقہ جاری کیا ۔ ایک ڈیڑھی تال، دُوسری دو تالی ۔

آپ نے ایک اور جدّت یہ کی کہ طنبُورے پر تال کے بغیر گانے کا طریقہ مُروّج کیا ۔

اِس طریق میں یہ نئی بات تھی کہ الاپیں کِسی باہری تال کی پابند نہیں رہیں بلکہ خُود راگ کے اندر جو تال ہوتی ہے الاپیں اُسی کے مُطابق الاپی جانے لگیں ۔

راگ راگنیوں کی کلاسیکی روایت

آپ نے اپنی نئی موسیقی کے قاعدوں کے مُطابق گانے کے لیے چھتّیس راگنیاں اِنتخاب کیں ۔ اِن میں سے تیس راگنیاں صِرف شاہ صاحب کے شعر گانے کے لیے مخصُوص تھیں ۔ باقی چھ راگنیوں میں اور شاعروں کے اشعار بھی گائے جا سکتے تھے ۔

آپ نے یہ چھتّیس راگنیاں یہ مقصد سامنے رکھ کر اِنتخاب کیں، کہ چھ راگوں اور چھتّیس

Digitized By: M.A.M.B

Scanned by CamScanner

راگنیوں کی کلاسیکی روایت برقرار رہے۔
آپ نے ان چھتیس راگنیوں میں یمن راگنی اور حسینی راگنی دانستہ شامل کی۔ اِس میں یہ بات مدِّنظر تھی کہ نئی موسیقی کا عربی موسیقی اور ایرانی موسیقی سے تعلق واضح ہو۔
حسینی راگنی عربی موسیقی کے بارہ بُنیادی راگوں میں سے ایک ہے۔ امیر خسرو نے اِسے اور یمن راگنی کو ہندی راگنیوں میں مِلا دیا تھا۔ چُنانچہ ایمن اور ایمن کلیان، یمن ہی سے نِکلی تھیں۔ اِسی طرح حُسینی راگنی کو بھی مقامی راگنیوں میں سمو کر نئی راگنیاں نکال لی گئی تھیں۔ شاہ لطیف نے اصل عرب راگنیاں رائج کرکے اُن کی تجدید کی۔

عوامی موسیقی سے اِستفادہ

باقی چونتیس راگنیوں میں سے آپ نے سترہ راگنیاں کلاسیکی موسیقی میں سے اور سترہ لوک گیتوں کی موسیقی میں سے ہیں۔ اِس سے ظاہر ہے کہ آپ ایک طرف تو عوامی موسیقی کا معیار

بلند کرنے کے خواہش مند تھے، دُوسری طرف کلاسیکی موسیقی کی تجدید کے لیے عوامی موسیقی کے اُس سرچشمے سے اِستفادہ کرنا چاہتے تھے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

شاہ لطیف کی اِس نو ایجاد موسیقی کی روایت نے قدیم سندھ میں پُورے علاقے کا مذاقِ موسیقی بدل کر رکھ دیا اور بہت جلد آپ کی اِنتخاب کی ہوئی راگنیاں ہر جگہ مقبول ہوگئیں۔

کورس

موسیقی کے میدان میں آپ کا ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ آپ نے کورس کی موسیقی کو رواج دیا۔ اِس کورس میں پانچ یا چھ موسیقار مِل کر گاتے تھے۔ ان میں سے ایک سرنغمہ ہوتا تھا۔ شرُوع میں سب اِسی کی لَے میں لَے ملاتے تھے مگر بعد میں آدھے مدّھم سُر گاتے تھے آدھے پنچم۔ آپ کا یہ اِختراعی کارنامہ پُورے ہندوستان کی موسیقی کی تاریخ میں منفرد ہے۔

Digitized By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی رُوحانیت، شاعری اور موسیقی کے بارے میں تمام ضروری باتیں لکھ چکنے کے بعد اب ہمیں آخر میں آپ کے بارے میں وہ بات کہنی ہے جس سے سندھ کے اِس عرفانی صُوفی شاعر اور مُوسیقار کی کُرسیٔ عظمت وہ چند بلند ہو جاتی ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ آپ عظمتِ آدم کے قائل تھے۔ اِس لحاظ سے آپ جدید دُنیا کے ایک قدیم ذہنی رہبر ہیں۔ آج مُلکوں، نسلوں اور قوموں کو جُدا کرنے والی رُکاوٹیں اِنسانیت کے کارواں کے راستے سے ہٹائی جا رہی ہیں تاکہ اِنسانی برادری ایک ہو کر ترقّی کی منزل کی طرف بڑھے۔ شاہ صاحب اِس بُلند تصوّر کے پیش رو تھے۔ آپ امیر اور غریب کا فرق تسلیم نہیں کرتے تھے اور سب اِنسانوں کو برابر سمجھتے تھے۔

جب دُنیا میں یہ احساس اِس سرے سے اُس سرے تک بیدار ہو جائے گا کہ سب اِنسان بلا امتیازِ نسل و رنگ ایک ہیں اور ماضی کے اُن اِنسانوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا جائے گا جو اِس تصوّر کی وکالت کرتے رہے تو شاہ صاحب کا نام سرِفہرست ہوگا۔

Scanned by CamScanner

Digitizied By: M.Y.M.B

Scanned by CamScanner

پاکٹ بک سیریز میں
مشاہیر کے حالاتِ زندگی

حضرت موسیٰ	حضرت عیسیٰ
زرتشت	مہاتما بدھ
طارق بن زیاد	خالد بن ولید
محمد بن قاسم	داتا گنج بخش
ظہیر الدین بابر	اکبر اعظم
جہانگیر	شیر شاہ سوری
نور جہاں	شاہ جہاں
اکبری نورتن	علاؤ الدین خلجی
رضیہ سلطانہ	چاند بی بی
اورنگ زیب	امیر خسرو
سلطان ٹیپو	سید احمد شہید
شاہ عبداللطیف بھٹائی	حیدر علی
بابا فرید	سید امیر علی
صدر ایوب	

Scanned by CamScanner